عالم برزخ

رئیس امروہوی

۱۹۷۵ء

عالم برزخ

رئیس امروہوی

رئیس اکاڈیمی
مانک جی سٹریٹ۔ گارڈن ایسٹ۔ کراچی ۳

عالمِ بُرزخ

■

رئیس امروہوی

ناشر • رئیس اکاڈمی

قیمت • چھ روپے

پہلا ایڈیشن

۱۹۷۵ء

رئیس اکاڈمی

۱۱۱

مانک جی اسٹریٹ گارڈن ایسٹ کراچی ۳

فون

۷۰۵۵۶

طباعت، شاہین پیکیجنر پاکستان چوک کراچی

ہالۂ نور

۱۹۶۷ء میں ماسکو اور لینن گراڈ کے درمیان "ٹیلی پیتھی" کا کامیاب تجربہ کیا گیا۔ اس تجربے میں فنِ خلانوردی کے جدید ترین آلات استعمال کیے گئے۔ اور کمپیوٹروں کی مدد سے پیغام بھیجنے والے اور پیغام وصول کرنیوالے کی دماغی لہروں کو ریکارڈ کیا گیا۔ روسی سائنسدانوں کا بیان ہے کہ مشین کی مدد سے ٹیلی پیتھی کے ذریعے بھیجنے والے اشارات کو DECODE کیا گیا اور چار سو میل کے فاصلے (ماسکو سے لینن گراڈ تک) پر ذہن کا ذہن سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی کے ساتھ روس کے

ؔ ٹیلی پیتھی کے موضوع پر ایک مستقل کتاب کی ترتیب مدِ نظر ہے۔

فنی رسالوں (ٹیکنیکل میگزینوں) اور روسی یونیورسٹیوں نے کمپیوٹر آرٹ، ڈیلی پیتھی سے کہیں زیادہ حیرت انگیز " حقیقت کا انکشاف کیا، کہ انسانی جسم کے گرد ایک " ہالۂ نور" پایا جاتا ہے۔ انھوں نے انسان کے ہالۂ نور کی رنگین و روشن تصاویر شائع کیں۔ کیا یہی وہ دائرہ روشن (AURA) ہے جس کا تذکرہ بار بار پُراسرار علوم کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔ انسانی جسم سے برقی لہریں سی نکلتی ہیں، نہایت تیز، کبھی کبھی ان کا رنگ نارنجی اور نیلا ہوتا ہے۔ روسی سائنسدانوں کے اس انکشاف نے سائنسی دُنیا کو غرقِ حیرت کردیا۔

بزرگانِ دین کی تصاویر

بزرگانِ دین کی بہت سی فرضی اور خیالی تصویریں بازار میں بکتی ہیں اور نجانے کتنے عقیدتمند حضرات نہایت ذوق وشوق اور اخلاص وارادت کے ساتھ ان فرضی یا حقیقی تصاویر سے اپنے گھروں کو سجاتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ اسلام میں تصاویر اور مجسّموں کی ممانعت ہے۔ پھر بھی ہزاروں مسلم گھروں اور دیندار گھرانوں میں آپ کو دینی بزرگوں اور رُوحانی پیشواؤں کی تصاویر ملیں گی جن کو ایک ہالۂ نور حلقہ کیے ہُوئے نظر آئے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حساس آنکھوں اور روحی مزاج رکھنے والے لوگوں نے بغیر کسی مادی آلے کے انسان کے ہالۂ نور کو دیکھ لیا تھا۔ میں اور آپ مادّے کے بنے ہُوتے ہیں۔ مادہ جب لہروں کی طرح عمل کرتا ہے توانرجی (توانائی) کہلاتا ہے اور توانائی جب ذرّوں کی طرح عمل کرتی ہے تو مادہ کہلاتی ہے۔ مثلاً میں یعنی سیّد محمد مہدی رئیس جب شعر کہتا ہوں تو شاعر بن جاتا ہوں اور جب مضمون لکھتا ہوں تو مضمون نگار، یعنی شاعری اور مضمون نگاری رئیس امروہوی کی شخصیت ہی کے دو پہلو ہیں۔ میں نے مادّے اور توانائی کا ذکر اس لیے چھیڑا کہ مجھے انسانی وجُود کے دو پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ میں اور آپ ٹھوس مادے کے بنے ہُوئے ہیں۔ یعنی ہمارا جسمانی ڈھانچہ، گوشت پوست استخوان

خون اور اعصاب و عضلات سے مرکب ہے۔ گوشت پوست کا جسم ذرّات (خلیوں) سے بنا ہُوا ہے اور اس خلیات کے مجموعے (انسانی جسم) کے ساتھ ایک اور جسم بھی تھی ہے جسے آپ لہروں کا پیکر کہہ سکتے ہیں۔ یہی لہریں ہمارے جسم کے گرد ایک دُھندلے یا نورانی ہالے کی طرح نظر آتی ہیں۔

آپ نے برسات میں جگنوؤں کی چمک دمک دیکھی ہوگی، ہائے اس موقع پر کیا شعر یاد آیا ہے:

اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں تو رہ رہ کر
دوپٹے کے ستاروں کا چراغاں یاد آتا ہے

نہ صرف جگنوؤں کے ننھے مُنے وجود سے روشنی خارج ہوتی ہے۔ بلکہ اندھیرے میں چمکنے اور دمکنے کی یہ خاصیت بہت سے کیڑوں اور مچھلیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ بشیر اور بلّی کی آنکھیں بھی اندھیرے میں بجلی کے قمقموں کی طرح چمکتی ہیں۔ ہاں تو ہالہ نور پر گفتگو ہو رہی تھی۔ آیئے اس ہالہ نور پر علمی نقطہ نظر سے غور کریں اور یہ دیکھیں کہ تصاویر میں بزرگوں کے چہرے کے گرد نورانی شعاعوں کے جو دائرے نظر آتے ہیں کیا وہ صرف عقیدتمندوں کی ایجاد بندہ ہیں یا ان میں کوئی اصلیت بھی ہے۔

فنّی تجربات

تھامپسن ہاسپٹل (لندن) کے ماہر برقیات (ڈاکٹر) والٹر جے، کلنر کلشیم کے فاسفورنٹ سلفائڈ پر N شعاعوں کے بارے میں تجربات کر رہے تھے کہ انھیں یہ خیال آیا کہ جسم انسانی سے توانائی کی جو لہریں خارج ہوتی ہیں اس کی چھان بین کی جائے۔ ڈاکٹر والٹر جے کلنر کو صرف یہ علم تھا کہ حرارت کے علاوہ جسم انسانی سے جو ازجی خارج ہوتی ہے،

اس کا تعلق بالائے سُرخ (اِن فرا ریڈ) سے ہے۔ ڈاکٹر کلنر نے ایک ایسا فوٹوگرافی پردہ (فلم) تیار کرنے کی کوشش کی جس کے ذریعے جسمِ انسانی سے نکلنے والے "ہالۂ نُور" کا مطالعہ کیا جا سکے۔ چنانچہ انھوں نے مختلف کیمیاوی محلولوں سے فلموں کو رنگا۔ لیکن ناکامی ہُوئی اور انسانی جسم سے نکلنے والی بالائے سُرخ شعاعیں کسی پردے پر نظر نہ آ سکیں۔ آخر انھوں نے کولتار کے کیمیاوی مواد سے فلم کو رنگنے کا ایک کیمیاوی مسالہ تیار کیا اور شیشے کی ایک اسکرین پر پہلے جے لے ٹن اور کول ڈین نامی مرکبات کا ایک استر تیار کیا۔ اس کے بعد اپنی مشہور اسکرین کو ایجاد کیا جسے مابعد النفسیات میں "آسٹرل باڈی" یوگ میں شکما شریرا اور تصوّف میں جسمِ مثالی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر والٹر جے کلنر نے اپنی کتاب "ہیومین ایٹ ماسفیر" میں نہایت تفصیل کے ساتھ انسان کے ہالۂ نور پر روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر کلنر کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی جسم سے توانائی کا جو اخراج (تاب کاری۔ ریڈی ایشن) ہوتا ہے۔ وہ ایک دائرے کی طرح انسانی جسم کے گرد نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر کلنر نے اپنے اسکرین پر انسانی ہمزاد کو بھی دیکھا۔ اسے وہ ایتھرک ڈبل کہتے ہیں۔ ہمزاد ایک شفاف سایہ ہے جو انسان کے ٹھوس جسم سے ایک انچ باہر کی طرف ہوتا ہے۔ اس ہمزادی جسم یا ہالے کے اندر ایک اور جسم ہوتا ہے۔ جو پہلے جسم کے مقابلے میں لطیف تر ہے اِسے "جسمِ مثالی" کہتے ہیں پھر اس جسمِ مثالی کے اندر اور "رُوحانی وجود" ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کلنر کی تحقیقات کا نچوڑ یہ ہے کہ انسان کے اثیری جسم (ایتھرک ڈبل) کا رنگ بھورا خاکستری ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس کا پھیلاؤ آٹھ انچ تک ہو جاتا ہے۔ میری نگرانی میں افتخار احمد (پی سی ایچ ایس) اور حیدر آباد میں جذبی صاحب جسمِ اثیری (ایتھر کا بنا ہُوا جسم) اور جسمِ مثالی (نورانی جسم) پر تجربات کر رہے ہیں نیز سردار رشید (ملتان)، اقبال اورنگ (کراچی)، مجید احمد (لاہور) اور طارق صاحب (لاہور) نے بھی نصابِ تعمیر و تنظیمِ شخصیت (سیلف کلچر ٹریننگ کورس یا ایس سی ٹی) کی مشقوں کے دوران جسمِ مثالی کو مختلف حالتوں میں دیکھا ہے۔ ڈاکٹر کلنر کا بیان ہے کہ ماورائے بنفشی

شعاعوں کے ذریعے بھی اس جسم کی تحقیقات ممکن ہے۔ یہ بھی علم ہے کہ انسانی جسم سے بجلی اور مقناطیسیت کی لہریں بھی خارج ہوتی ہیں یعنی جسم بھی تابکاری کی اسطرح صلاحیت رکھتا ہے جس طرح دوسرے مادی اجسام! ہمیں نہ انسانی جسم سے نکلنے والی لہریں نظر آتی ہیں نہ مقناطیسی لہریں۔ اسی طرح ننگی آنکھوں یا بازاری کیمروں سے انسان کا ہالہ نور بھی نظر نہیں آسکتا لیکن سوویت یونین میں ایسے ترقی یافتہ کیمرے ایجاد ہو گئے ہیں جو انسان کے ٹھوس مادی جسم سے خارج ہونے والی مختلف روشنیوں کی تصویرکشی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہالہ، رنگ، توانائی

ڈاکٹر کلنر نے متواتر تجربات سے ثابت کیا ہے کہ تھکن، بیماری اور اضمحلال کے عالم میں اس ہالے کی چمک دھندلی پڑجاتی ہے۔ یہ سکڑ جاتا ہے۔ نیز اپنی اسکرین پر انھوں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ ذہین لوگوں کا جسمانی ہالہ درخشاں اور بڑا ہوتا ہے اور سست، افسردہ مزاج اور غبی لوگوں کے ہالے میں دھیماپن اور سکڑاؤ پایا جاتا ہے۔ شدید جذباتی ہیجان کے وقت ہالے میں آڑھی ترچھی برقی لہروں کی سی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ البتہ موسمی تبدیلیوں سے ہالۂ نور پر کوئی اثر نہیں پڑتا (روسی سائنس دانوں کا بیان ہے کہ موسمی تبدیلیاں ہالۂ نور پر اثر انداز ہوتی ہیں) ڈاکٹر والٹر جے کلنر کا کہنا ہے کہ انسان کے اثیری جسم (ایتھریکل باڈی) کی چوڑائی چار انچ ہوتی ہے۔ مزید مشاہدات سے پتہ چلا کہ انسانی ہالے میں خاکستری اور سفید رنگ کے علاوہ سُرخ، زرد اور نیلے رنگ بھی پائے جاتے ہیں۔ ماورائے بنفشی (الٹرا وائلٹ) شعاعوں کے ذریعے ان گوناگوں رنگوں کی تحقیق ممکن ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی پُر از معلومات کتاب "ہیومین ایٹماسفیر" (فضائے جسم انسانی) میں لکھا ہے کہ عام طور پر یہ ہالہ انسانی جسم کے گرد ڈھلکے ہوئے بادلوں کی طرح نظر آتا ہے۔ جس پر انسانی اعصاب سے نکلنے

والی توانائی پر اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ وہ توانائی جو مرکزی اعصابی نظام (سنٹرل نروس سسٹم) سے خارج ہوتی ہے۔ دماغی اور اعصابی امراض مثلاً جنون، مرگی اور بے ہوشی کے دورے، جسمانی ہالے کو بُری طرح متاثر کرتے ہیں، نیز جذباتی اور نفسیاتی بیماریاں (خوف۔ غصّہ۔ مایوسی۔ بیزاری۔ حسد۔ انتقام۔ احساسِ کمتری وغیرہ کی شدید کیفیتیں) بھی ہالے کی روشنی اور تابناکی کے لیے سخت نقصان رساں ہیں۔ ان صورتوں میں ہالہ ڈِم اور ڈل ہو جاتا ہے یعنی مدھم اور بھدّا۔

ڈاکٹر کلنر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ انسانی جسم کے ہالے کی تشکیل میں سنٹرل نروس سسٹم سے خارج ہونے والی توانائی بہت اہم حصّہ لیتی ہے۔ اور یوگ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سانس کی مختلف مشقوں کے ذریعے سنٹرل نروس سسٹم کی توانائی کو منظم اور بیدار کیا جاتا ہے۔ سوویت یونین کے سائنس دانوں نے جسمِ انسانی کے ہالۂ نُور کے جن رنگوں کا ذکر کیا ہے۔ روحی استعداد رکھنے والے لوگوں کو ابتدا ہی سے ان کا علم تھا چنانچہ علومِ مخفی کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ہالۂ نُور کی رنگینیوں کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے پیکرِ خاکی (جسم) کے گرد ایک رنگین ہالہ ہوتا ہے جس طرح دماغی لہروں کو ریکارڈ کرنے والا، آلہ ایجاد ہو گیا ہے اسی طرح کسی نہ کسی روز اس قسم کے نازک اور حساس آلات بھی ایجاد ہو جائیں گے جو انسانی جسم کے گرد جھلملانے والے ہالۂ رنگ و نور کی تصویر کشی کر سکیں گے جن لوگوں میں ہالہ بینی کی صلاحیت بیدار ہو جاتی ہے۔ وہ اس کے رنگ کو دیکھ کر فوراً انسانی شخصیت، نیز مزاج، کردار، خواہشات، جذبات اور دماغی کیفیات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ انسانی جسم کے ہالے پر اگر پگھلے ہوئے سونے کا رنگ غالب ہو تو وہ رُوحانی طریقے پر کافی ترقی یافتہ ہوتا ہے سُنہری زرد رنگ رُوحانی ترقی، سکُونِ قلب اور بھرپُور روحی زندگی کی علامت ہے۔ مہاتما بُدھ، سری کرشن جی اور حضرت زردشت کی تصویروں میں سنہری زرد ہالے کو خصوصیت کے ساتھ نمایاں کیا جاتا ہے۔ یہ عشقِ صادق،

اطمینان خاطر اور اعلیٰ خیالی کی بھی نشانی ہے۔ سنہری زرد رنگ کے بعد نیلے رنگ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ہاں یہ عرض کر دوں کہ ہر رنگ کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ مثلاً سنہری زرد رنگ کو لیجئے۔ یہ بھی مختلف درجوں میں تقسیم ہے۔ بالکل نمایاں، اس سے کم نمایاں تا اینکہ گھٹتے گھٹتے برائے نام ہالۂ نور میں سنہراپن اور زردی باقی رہ جاتی ہے۔ درحقیقت رنگ کی شوخی، تیزی اور تابناکی کا انحصار اس پر ہے کہ خود وہ شخص ذہنی، دماغی اور رُوحانی ترقی کے کس درجے میں ہے؟ انسان کی ذہنی اور رُوحانی رجحانات اور سرگرمیوں کی بناء پر بھی ایک ہی ذوق رکھنے والے لوگوں میں اس رنگ کے رُوپ مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر موسیقاروں اور فن کاروں کے ہالے پر نیلا رنگ غالب ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ اکثر موسیقاروں کا ہالہ کبودی INDIGO ہوتا ہے اور لکھنے والوں کے جسمانی ہالے میں آسمانی رنگ کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اس قسم کے لوگ اگر نیلم کی انگشتری پہنیں تو اپنی ذہانت میں نمایاں اضافہ محسوس کریں گے۔ نیلا رنگ وحدت کائنات اور عشق کائنات کے گہرے جذبے کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ رنگ بے حد سکون پہنچانے والا جذبات کو ٹھنڈا کرنے والا، تشویش کو رفع کرنے والا اور ذہنی عمل کو تیز کرنے والا شمار ہوتا ہے نیلا رنگ رکھنے والے بے پناہ قوتِ تخیل کے مالک ہوتے ہیں۔ جس شخص کے ہالے کے رنگوں میں گہرا نیلا رنگ نمایاں ہو۔ اس میں پُرجوش مذہبی لگن اور گہرا رُوحانی عقیدہ پایا جاتا ہے۔ نیلاہٹ پر سیاہی غالب آجائے تو سرد مہری، افسردگی اور اضمحلال کی نشانی بن جاتی ہے۔ زرد رنگ کے ساتھ نیلمی رُوپ ہو تو یہ رُوحانی ادراک و شعور کی علامت ہے۔ نیلاہٹ کے ساتھ خاکستری جھلک پیدا ہو جائے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شخص کی سچّی محبت پر خود غرضی غالب آتی چلی جاتی ہے۔ جب ہلکی نیلاہٹ رکھنے والوں پر خوف و دہشت کا دَورہ پڑتا ہے تو ان کے ہالے میں خاکستری رنگت جھلملانے لگتی ہے۔ اسی طرح نیلگوں ہالۂ نور پر مختلف جذبات کے زیرِ اثر اور بھی رنگ چڑھتے اُترتے رہتے ہیں اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ ہر جذبے کا

رنگ دُوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

نیلے کے بعد سبز

درجے کے لحاظ سے نیلے کے بعد سبز رنگ کا نمبر آتا ہے۔ یہ رنگ فطرت اور انسان دونوں کو بہت پسند ہے۔ کیونکہ خود زندگی سرسبزی، اُمید پسندی اور شادابی کا استعارہ ہے جُوں جُوں انسانی شخصیت میں بھرپُورپن پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اِس کے ہالۂ جسم میں موجود رنگ کی سبزی نکھرتی چلی جاتی ہے۔ یہ رنگ نشوونما (اُگنے پھلنے پھُولنے) کی روشن دلیل ہے جس کے نُورانی ہالے پر سبز رنگ کا غلاف چڑھا ہُوا ہوگا۔ اس کے کردار میں ثابت قدمی، خودشناسی، ذہانت، افادیت پسندی اور عملی سوجھ بوجھ کی فراوانی ہوگی۔ ایسا شخص اپنے کو ہر ماحول میں ڈھال کر غیر معمُولی دُنیاوی ترقی کرتا ہے۔ زراعت، تجارت، اور صنعت وغیرہ کے شعبوں میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے اشخاص کے ہالۂ نُور کا رنگ نہایت خوبصُورت اور شاداب سبزی لیے ہُوئے ہوتا ہے۔ دُھندلا سبز یا نیلا ہرا، حسد، رشک اور غضب کے جذبے کی دلیل ہے۔ بہرحال یہ بات طے ہے کہ بزنس اور انڈسٹری میں صرف وہی لوگ پیش قدمی کی استعداد رکھتے ہیں۔ جن کے جسم سے نکلنے والی شعاعوں سے صاف وشفاف سبز رنگ نکلتا ہے۔ اگر سبز رنگ کے ساتھ خاکی یا بھُورے یا بادامی رنگ کی ملاوٹ ہو تو انسانی کردار اور رویّے میں ہچکچاہٹ، پس وپیش اور ہیجر مچر پن کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ شوخ نارنجی رنگ توانائی کی علامت ہے۔ اگر اس میں سُرخی اور سبزی کی بھی جھلک ہو تو قوّتِ حیات کی فراوانی جھلکتی ہے۔ قدیم دانشمندوں (جنھیں اَب دانشور کہا جاتا ہے) کی نظر میں قوّتِ حیات بذاتِ خود سنہری، زرد اور سُرخ رنگ میں ملبوس ہوتی ہے۔

سُرخ رنگ

سب سے زیادہ طاقتور رنگ سُرخ ہے۔ یہ رنگ طاقت، ہیجان اور تخلیق (جنسی جذبہ) سے معمور ہوتا ہے۔ لیجئے اس موقع پر یہ بات یاد آئی کہ قدرتی علاج (پانی۔ سورج کی روشنی مناسب غسل اور ٹب باتھ) کے ماہرین رنگین بوتلوں کے پانی سے علاج کرتے ہیں۔ مختلف رنگ کی بوتلوں میں سادہ پانی بھر کر دھوپ میں رکھ دیا جاتا ہے۔ سورج تمام زندگی، سرسبزی، شادابی، توانائی، صحت، صفائی تازگی پیداوار اور حرکت و حرارت کا سرچشمہ ہے۔ سورج کی کرن اتنے الف ب پ ج (حیاتین) وٹامنز سے بریز ہوتی ہے کہ ہم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے، مختلف رنگ کی سادہ پانی سے بھری ہوئی بوتلیں اپنے نیلے، سبز، سُرخ یا دوسرے رنگ کی مناسبت سے شمسی توانائی جذب کر لیتی ہیں۔ اس طرح معمولی پانی "آبِ حیات" بن جاتا ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ سورج کی ہر کرن سات رنگوں سے مرکب ہوتی ہے۔ آپ اسپکٹوریم (طیف یا منشور) سے دیکھیں تو سورج کی شعاعوں میں سات رنگ نظر آئیں گے۔ یہی سات رنگ سورج کی قوت، زندگی، روشنی اور تازگی کے نمائندے ہوتے ہیں۔ قدرتی علاج کے ماہرین اس صحت بخش توانائی سے فائدہ اُٹھا کر پیچیدہ سے پیچیدہ امراض کے معالجے پر قادر ہوتے ہیں۔ تیز گہری سُرخی جنسی جذبے کو بھڑکاتی اور بعض اوقات نفس میں حیوانی غصہ اور اشتعال پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ بہت سے جانور خصوصیت سے بیل (سانڈ) سُرخ کپڑے سے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ یہ رنگ غصہ، قتل و خون، انتقام، تشدد اور شدت جذبات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ گلابی رنگت بے غرض اور سادہ محبت کی نشانی ہے جس کے ساتھ ایثار کا جذبہ بھی وابستہ ہو۔ اگر گلابی اور بنفشی رنگ مل جائیں تو خدا اور بندے کی محبت خصوصیت کے ساتھ مادرانہ شفقت نمودار ہو جاتی ہے۔ معتدل سُرخی جس میں دلفریب شوخی ہو، خوبصورت جنسی جذبے اور نر و مادہ

کے قدرتی ملاپ کے رجحان کو متحرک کر دیتی ہے۔ دلہنوں کا سرخ جوڑا اور گلابی جسموں کے پیراہن سرخ اسی جذبے کے خیال انگیز پہلو ہیں :

سُرخ جوڑے میں پُراسرار سی کوئی بوباس
جسم پر بار لطافت سے وہ ہلکا سا لباس

لیکن جوں جوں سُرخی میں خونیں رنگت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ رنگ سخت تباہ کُن اور اشتعال انگیز ہوتا چلا جاتا ہے۔ رہا سیاہ رنگ تو ہم سب جانتے ہیں کہ وہ روایتی طور پر موت کی ترجمانی کرتا ہے۔

رنگ اور صحت

رنگ کا صحت سے بہت گہرا تعلق ہے۔ بیماری جلد کی رنگ سے جھلکتی ہے۔ مثلاً زردی یرقان اور خُون کی کمی کی علامت ہے، سیاہی سودلویت کی۔ خُون کی خرابی جلد کے سُرخ دھبوں سے نمایاں ہو جاتی ہے۔ معالج مریض کی آنکھوں، چہرے، ہتھیلیوں اور جلد کی رنگت دیکھ کر ہی اس کی حالتِ صحت کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ خواب بھی رنگین ہوتے ہیں اور خواب کے مناظر میں جو رنگ غالب ہو۔ اس کی مناسبت سے خواب دیکھنے والے کے دل و دماغ کی کیفیت کو بخوبی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ایک خاتون مسلسل خواب میں دیکھتی تھی کہ سُرخ آندھی زور شور سے چل رہی ہے اور وہ اُن آندھیوں کی زد میں کھڑی ہے۔

تُم لوگ ہو آندھیوں کی زد میں
مَیں قحط ہوا سے مر رہا ہُوں

تحلیل نفسی سے پتہ چلا کہ وہ شدید غُصّے۔ انتقام اور دباتے ہُوئے جنسی جذبات کے مخفی اشتعال میں مبتلا ہے۔ یہ دباتے ہُوئے جنسی جذبات سُرخ آندھیوں کے رُوپ میں

بحالت خواب اُبھرتے تھے۔ جب اس خاتون کو سُرخ آندھیوں کا مفہوم بتا دیا گیا تو ان خوابوں کی خوفناکی ختم ہوگئی اور اس کی طبیعت بحال ہونے لگی۔ عام طور پر انسانی جسم کا نورانی ہالہ ARURA نظر نہیں آتا۔ نہ اب تک کوئی ایسا کیمرہ ایجاد ہو سکا ہے جو انسانی ہالے کی مکمل عکاسی کر سکے۔ بے شک سوویت یونین کے سائنس دانوں نے اس سمت میں نمایاں پیش قدمی کی ہے۔ تاہم ہنوز یہ تجربات ابتدائی منزل میں ہیں۔

انسان برتر

ماسکو اسٹیٹ یونیورسٹی کے سائنس دانوں نے انکشاف کیا ہے کہ تمام جاندار چیزیں دراصل نورانی ہوتی ہیں۔ ڈیپارٹمنٹ آف سوائل بیالوجی نے مختلف زندہ اور جاندار چیزوں کی چھان بین کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہر زندہ چیز میں مختلف درجے کی نورانیت : HEMOLUMINISENCE پائی جاتی ہے اور اب عکس کو بڑا کر کے دکھانے والے ایک آلے (فوٹو ایمپلی فائر) کے ذریعے سائنس دان یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کسی زندہ چیز میں کتنی نورانیت پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پودوں کی جڑیں اور ٹہنیاں بھی نورانیت سے محروم نہیں ہوتیں۔ آلے گاسانوف اور دی سلے ویسلووکی (نجانے ان ناموں کے اصلی تلفظ کیا ہوں گے ؟) نے گیہوں اور جو کی مختلف قسموں کو تاریک کمرے میں رکھ کر انہیں ایک خاص درجے کی گرمی پہنچائی تو مختلف درجے کی روشنیاں چمکنے لگیں۔ ماسکو یونیورسٹی کے شعبہ زرعی تحقیقات نے یہ بھی دریافت کیا ہے کہ حیوانوں کے جسم میں بھی نور کی تہیں اور روشنی کے پرت پائے جاتے ہیں۔ اور اس کا تعلق عمل تنفس اور تکسید OXIDATION سے ہے۔ اس ایک انکشاف سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ میں جو سائنس کی مشقوں پر اتنا زور دیتا ہوں۔ اس کا سبب کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ منظم طریقے پر سائنس کی مشقیں کرتے

ہیں۔ ان کے جسم کا ہالہ نور اور تابناک درخشاں ہو جاتا ہے۔ یہ جو اندھا، بہرا، گونگا اور دق زدہ شخص سڑک کے کنارے بیٹھا بھیک مانگ رہا ہے۔ جس کے گرد کتے بھونک رہے ہیں، چہرے پر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ مونہہ سے رال بہہ رہی ہے۔ آپ نے اسے دیکھا آگے بڑھئے، اس کا ہاتھ پکڑئیے اور کہیے کہ اے سڑک پر کتّے بلی کی طرح زندگی بسر کرنے والے اپاہج آدمی، تیرا جسم کتنا ہی کمزور اور بیکار کیوں نہ ہی، تیرے اندر کا انسان ایسی عظیم، لافانی، اُمر، اٹل اور حیرت انگیز قوت کا مالک ہے کہ تو اس اندرونی قوت کا اگر دسواں حصّہ بھی اپنے استعمال میں لے آئے تو پوری کائنات کو فتح کر سکتا ہے۔ خلاء میں اٹھارہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکّر لگانے والا خلاء باز بیلو نوف ہو، یا کراچی کی سڑکوں پر دھکے کھانے والا گداگر! یہ دونوں قدرت کے عظیم شاہکار ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک شخص نے اپنی قوت کو پہچان لیا اور دُوسرا، اپنی عظمت سے بے خبر ہے۔ دُنیا کا ہر انسان انسان برتر ہے، ہر عورت کامل عورت ہے، ہر مرد کامل مرد! ضرورت صرف یہ ہے کہ ہم اپنے عجائبات سے واقف ہو جائیں۔ ہاں تو ہم جس ہالہ نور کا ذکر کر رہے ہیں اس کو تصوّف اور علوم باطنی کی اصطلاح میں "جسم مثالی" یا "پیکر نورانی" کہتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ جسم مثالی انسان کے خاکی جسم سے واضح طور پر الگ ہو جاتا ہے۔ لاہور سے آر۔ این ایک نوجوان لڑکی لکھتی ہیں کہ:

> مجھے آپ سے ایک اور بات عرض کرنی ہے۔ یہ کہ تقریباً پچھلے ایک سال سے مجھ پر ایک عجیب سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔ سب سے زیادہ پریشان کن یا تکلیف دہ بات یہ ہے کہ سکتے کے دوران ایک عجیب سا درد، یا یوں سمجھ لیجئے کہ برقی درد ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بجلی کی رو تمام جسم کو چیر رہی ہے۔ پہلی پہل میں اتنی پریشان ہوئی کہ آنکھ کھُلنے کے بعد رونے لگی۔ سکتے میں حالت یہ ہوتی ہے کہ میں کمرے کا تمام منظر دیکھ سکتی ہوں۔

دماغ سب کچھ سوچ رہا ہوتا ہے۔ جسم میں ذرا بھی حرکت نہیں ہوتی۔ کئی بار سکتے کے دوران ایسا ہُوا کہ رضائی میرے مُونھہ پر پڑی ہے۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر رضائی مُونھہ سے ہٹا دی۔ ہاتھ کو حرکت بھی ہُوئی۔ مگر تعجب کہ ہاتھ سے رضائی ہٹا دینے کے بعد جو دیکھا تو رضائی وہیں پڑی ہے۔ میں حلفیہ کہہ سکتی ہُوں کہ میری رُوح جسم سے کئی بار علیحدہ ہو چکی ہے (رُوح سے مُراد ہے جسم مثالی) رُوح کی جُدائی کے بعد میں آوازیں سُنتی ہُوں۔ دیکھتی ہوں اور نادیدہ حرکات کرتی ہوں (یعنی یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں متحرک ہُوں، جنبش کر رہی ہُوں) پھر حسبِ معمول ایک جھٹکے کے ساتھ جسم اور رُوح مل جاتے ہیں۔

ایک دفعہ میرا جسم تو پلنگ پر پڑا تھا اور "میں" پلنگ سے ایک فٹ اُونچی اپنے جسم کو دیکھ رہی تھی۔ سکتے کا یہ واقعہ مہینے ڈیڑھ مہینے میں ضرور پیش آتا ہے۔ میں اس حادثے سے اس قدر خوف زدہ ہو گئی ہُوں کہ رات کے تصوّر سے ڈر لگتا ہے۔ این۔ آر نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ میرا جسم تو پلنگ پر پڑا تھا اور میں پلنگ سے ایک فٹ اُونچی فضا میں موجُود تھی۔ بے شک اصلی این آر اس وقت اپنے عنصری جسم سے الگ تھیں۔ اُنھوں نے عنصری جسم اس طرح اُتار پھینکا تھا۔ جس طرح ابھی ابھی اپنی شیروانی اُتار کر میں نے کھونٹی پر ٹانگی ہے اور کرسی پر بیٹھا ہُوا یہ مضمون لکھ رہا ہُوں۔ گہری نیند میں جسم مثالی جسم عنصری (خاکی) سے وقتی طور پر آزاد ہو کر اپنا عمل جاری رکھتا ہے اور خواب کے بعض مشاہدات و تجربات کی تعبیر اس نقطۂ نظر سے کی جاتی ہے۔ این آر (لاہور) کو یہ کیفیت جو محسوس ہوتی ہے کہ بجلی کی رَو جسم کو چیر رہی ہے۔ یہ بالکل طبعی اور قدرتی بات ہے۔ کیونکہ جسم خاکی سے جسم مثالی کی جُدائی کے وقت اعصاب میں واقعی ایک نادیدہ برق نما لہر دوڑ جاتی ہے۔ سانس، استغراق اور مراقبے کی تمام مشقوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس رُوحی توانائی کو بیدار کیا جائے اس قوت کا مرکز ریڑھ کی ہڈی کے نیچے واقع ہے۔

وہاں یہ قوت مارِ آتشیں کی طرح کنڈلی مارے بیٹھی ہے۔ یوگ والے اسے کنڈالنی شکتی کہتے ہیں۔

روشنی کا جسم

رشید احمد (لاڑکانہ) لکھتے ہیں کہ :۔

آپ نے مراقبے کی جو نئی شکلیں تجویز کی ہیں۔ ان پر تقریباً تین ہفتے سے عمل کر رہا ہوں۔ تقریباً تین ہفتے تک میں نے (سانس کی مشق کے بعد جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر آنکھیں بند کر کے) یہ مراقبہ کیا کہ ستاروں کے درمیان خلاء میں پرواز کر رہا ہوں، ۱۲ر جون سے اس تصور پر مراقبہ شروع کیا کہ میری ہستی ایک لامحدود نور میں غرق ہے۔ فی الحال یہ مراقبہ پندرہ منٹ کرتا ہوں۔ یہ تصور کہ قلب میں شعلۂ نور جگمگا رہا ہے۔ روز بروز پختہ سے پختہ تر اور دیرپا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور اس کے اثرات بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔ مثلاً دل و دماغ روشن رہتے ہیں۔ ذہنی تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ عملی قوتیں بیدار ہو رہی ہیں۔ اس سے پہلے شاید کبھی سال بھی اتنی کم "اسٹڈی" نہیں کی تھی۔ بایں ہمہ کافی کامیابی نصیب ہوئی۔ یقین کی اس پختگی اور خود اعتمادی کے ساتھ کبھی امتحان کے پرچے نہیں دیئے تھے۔ دن بدن فکر کی نئی راہیں کھل رہی ہیں۔ قلب کی روشنی سے سارے جسم میں روشنی محسوس ہوتی ہے۔ خصوصاً ذہن میں اکثر خیالات خوش آیند ہوتے ہیں۔ نہ پہلے کی طرح ہوائی قلعے (خواب ہائے، بیداری) بنتے ہیں، نہ مستقبل کے اندھیرے پریشان خاطری کا سبب بنتے ہیں۔ مختصر یہ کہ زندگی کے گیسوؤں کو سلجھانے کا فن تیزی سے آ رہا ہے، اور ہاں! خاص بات یہ کہ اکثر لیٹے لیٹے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرا جسم گوشت اور ہڈیوں کے بجائے صرف روشنی کا بنا ہوا ہے۔ دوسری بات یہ کہ بیٹھے بیٹھے یکایک آس پاس

پھولوں کی عجیب و غریب خوشبو کا احساس ہوتا ہے گلاب کی خوشبو، بیلے کی خوشبو اور چنبیلی کی خوشبو!

برزخ

جسم مثالی کو برزخ بھی کہتے ہیں۔ جناب ہمایوں اختر کہ صوفی باصفا واقع ہوئے ہیں۔ برزخ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

آپ کا مضمون (ایک مسئلہ اور ہزار پہلو) نظر سے گزرا۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد جراءت ہوئی کہ برزخ کے متعلق ایک پہلو گوش گذار کر دوں۔ اب تک آپ نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ سب بجا و درست ہے۔ یہ تمام مضامین علوم مخفی (آکلٹ سائینسز) کے دائرے میں آتے ہیں۔ انھیں آپ روحیت تو کہہ سکتے ہیں مگر انکا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ غیب دانی، پیش بینی، سچے خواب، مخفی چیزوں کی اطلاع، قلوب کی تسخیر، بیماریوں کو سلب کر لینا۔ اشغال روح، پانی پر چلنا، ہوا پر اُڑنا، یہ سب روحانیت کے مظاہر نہیں ہیں۔ "روحیت" کے کرشمے ہیں آپ نے اب تک نفسیات و مابعد النفسیات کے سلسلے میں قابلِ قدر کام کیا ہے۔ یہ کام اگرچہ کٹھن ہے اور مجھے اعتراف ہے کہ اس سلسلے میں آپ کو کافی مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ پھر معترضین کے اعتراضات کے جوابات بھی دینا پڑتے ہیں۔ تاہم آپ ہمّت نہ ہاریں اور اس سلسلے کو برابر جاری رکھیں نئی نسل کی ذہنی اور دماغی نشوونما کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ میری نظر میں نہیں۔ آپ نے قوم کے مرض کی صحیح تشخیص کر لی ہے۔ اس کے علاج کی ذمہ داری بھی آپ پر عاید ہوتی ہے، مجھے اُمید ہے۔ آپ کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ضرور برآمد ہوگا دُوسرا کام جو آپ اس سلسلے میں کر رہے ہیں، وہ پہلے کام سے بھی زیادہ اہم ہے۔ یعنی یہ کہ

روحانیت کے سچے جھوٹے دعویداروں میں امتیاز کرنے کا جوہر عطا فرما رہے ہیں، سپر نیچرل ازم اور خوارق عادات میں خدا کو تلاش کرنے والا درحقیقت مذہبی انسان نہیں یا اس کی مذہبیت کا درجہ بہت پست ہے۔ فطرت کے آئین اور قدرت کے قوانین خدا کی سنت کا درجہ رکھتے ہیں، یہ قوانین ہماری سمجھ میں آجاتے ہیں، خدا کے قابلِ فہم کارناموں کو چھوڑ کر اس کو وہاں تلاش کرنا جہاں عام قوانین سے ہٹی ہوئی کسی بات پر ایمان لانا پڑے کوئی معقول طریقہ نہیں۔ فطرت کے عام طریقے خدا کو اس قدر محبوب ہیں کہ ان کی تکرار اس کو ناگوار نہیں ہوتی، البتہ خلافِ عادت چیزیں جنھیں ہم معجزات کہتے ہیں۔ خدا کو اتنی پسند نہیں کہ وہ انہیں بار بار دہرائے، آنکھ والے کو ہر صبح و شام وہی حیرت انگیز عابدانہ مسرت نصیب ہوتی ہے جو آدم علیہ السلام کو صبح تخلیق پر نصیب ہوئی ہوگی۔ خدا کو دیکھنے کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اس ذاتِ سرمدی کا احساس ہماری روح میں ہی بیدار ہو سکتا ہے نقل ہے کہ جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو فقیری میں عروج ہوا تو وہ عرش پر پہنچے اور عرشیوں سے سوال کیا کہ خدا کہاں ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو سُنا کرتے تھے کہ خدا زمین پر ہے۔ تعجب ہے کہ آپ اسے ڈھونڈنے یہاں آتے ہیں۔

تصوّف کی اصطلاح میں

برزخ اس شئے کو کہتے ہیں، جو مختلف اشیاء کے درمیان واقع ہو۔ ایک تیسری چیز ہو اس طرح کہ دونوں سے متصل بھی ہو اور الگ بھی جیسے عالم امر اور عالم خلق " عالم مثال " برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ عالم مثال کثیف اجسام اور مجرّد ارواح کے درمیان واقع ہے " یا " اعراف " جس کا محل وقوع بہشت و دوزخ کے درمیان ہے۔ یا مونگا جو نباتات و جمادات کے درمیان

"برزخ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ یاد رخت خرما کہ برزخ ہے نباتات اور حیوانات کے درمیان بعض صوفی جو حکمائے اشراقیین کے پیرو ہیں۔ عالم اشباح کو برزخ کہتے ہیں۔ کیونکہ اہل اشراق کے نزدیک عالم حسّی کے سوا۔ جو محسوس اور مادّی ہے۔ ایک دوسرا عالم بھی ہے۔ جو غیر محسوس اور غیر مادّی ہے۔ ان کے باہمی میل ملاپ سے عالم برزخ میں مختلف اور گوناگون صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ حکمائے اشراق اپنی اصطلاح میں اس عالم کو عالم اشباح اور عالم مقداری بھی کہتے ہیں۔ مگر اس کا معروف و مقبول نام برزخ ہے۔ بعض کے نزدیک برزخ وہ عالم ہے۔ جو اصطلاحاً قبر کہلاتا ہے اور "قبر" اس عرصے کا نام ہے جو موت کے وقت سے قیامت تک فرض کیا گیا ہے۔ قبر اس لحد یا گڑھے کو نہیں کہتے جس میں مردے کو دفنایا جاتا ہے۔

تین عالم تین دُنیائیں

حضرت محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک اور مستقل عالم ہے۔ جس کو برزخ کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) برزخ میں تمام روحیں پیدا ہونے کے وقت سے قیام عالم تک رہتی ہیں (۲) اس دنیا میں تمام روحیں عالم دنیا سے انتقال کر کے آتی ہیں اور یہاں سے عالم آخرت کو جاتی ہیں (گویا برزخ ایک قسم کا ٹرانزٹ کیمپ ہے) تاہم روح ہمیشہ باقی رہتی ہے اور اس دنیا میں اس کی تعیناتی۔ اس شخص کے جسم کے مطابق ہوتی ہے۔ جس سے وہ متعلق ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس کو عالم دنیا سے عالم مثال (برزخ) کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جملہ ارواح عالم آخرت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ وہاں پہنچ کر بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ابد الآباد تک رہیں گے۔ اس منتقلی میں جسم خاکی۔ جسم مثالی میں اور جسم مثالی جسم روحانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ انسان کی ترکیب الٰہی تین عالموں (یعنی عنصری۔ مثالی اور روحانی) سے ہوئی ہے۔ جس شخص کے ذہن پہ جسم

جسمانیت غالب ہوتی ہے۔ اس کی منزل برزخ ہے اور جس پر فرشتوں اور ارواح مقدسہ کے احکام غالب ہوتے ہیں۔ اس کا مقام آخرت ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کا ہے کہ دنیا۔ عالم مثال اور عالم آخرت ان تینوں عالموں میں اپنے اپنے جنت و دوزخ موجود ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عالم برزخ میں عذاب و ثواب۔ آسمان و زمین کے قائم رہنے تک ہوگا اور آخرت میں عذاب و ثواب دائمی ہوگا۔ آسمان و زمین کے فنا ہونے کے ساتھ عالم مثالی بھی فنا ہو جائے گا۔ مگر عالم آخرت کی شان اس سے جداگانہ ہے۔ اس میں سردی و گرمی کے لوازم۔ جو صبح و شام کی طرح عالم دنیا سے وابستہ ہیں۔ نہیں ہوں گے۔

چلم بھرلا

حضرت انسان دنیا برزخ اور آخرت تینوں کے جامع ہیں۔ اس لئے ان کی جنت و دوزخ بھی خود ان کے اندر موجود ہیں۔ جن لوگوں کو جسم و جسمانیت کے لوازمات دنیا میں حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں اپنے کو جنت کے اندر محسوس کرتے ہیں۔

دنیا بھی ایک بہشت ہے اللہ رے کرم
جن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

اور جو اس دنیا میں محرومی اور بدبختی کی زندگی گذارتے ہیں۔ وہ اپنے کو دوزخ میں شمار کرتے ہیں۔ یہی حال عالم آخرت کا ہے کہ اگر انہیں روحانی تسکین کے سامان میسر ہیں۔ تو وہ اپنے کو بہشت میں تصور کرتے ہیں ورنہ جہنم میں! تذکرہ غوثیہ میں مذکور ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے مرید کو حکم دیا کہ چلم بھرلا اس نے کہا کہ آگ نہیں ہے۔ پیرو مرشد نے ارشاد فرمایا کہ جا دوزخ میں سے لے آ۔ جب مرید وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک چٹیل میدان ہے۔ جہاں آگ کا پتہ نہیں۔ سخت حیران ہوا اور استفسار حال کی غرض سے داروغہ جہنم کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ اس نے کہا کہ۔ میاں! یہاں آگ کہاں؟ یہاں تو جو کوئی آتا ہے اپنی آگ ساتھ لاتا ہے
اسلام کا مقصد اصلی تعلق باللہ اور وصول الی اللہ ہے۔ اہل اللہ کے نزدیک خدا۔ اور
بندے کے درمیان غیر اللہ سے کٹ جانے اور ذات الٰہی میں فنا ہو جانے کا نام وصال ہے
اہل شریعت صلٰوۃ۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور جہاد کے ذریعے یہ مقصد (اللہ تک پہونچنا)
حاصل کرتے ہیں۔

شغل برزخ

صوفیائے کرام نے تعلق باللہ اور وصول الی اللہ کے جو طریقے تعلیم فرمائے ہیں۔ ان
میں یہ تین بہت مشہور ہیں (۱) ذکر (۲) مراقبہ (۳) رابطہ۔ قرآن شریف میں اس کو "رابطہ"
فرمایا گیا ہے اور یہی سند ہے۔ اہلِ اللہ کی اصطلاح میں رابطے کا طریقہ یہ ہے کہ مرید اپنے
شیخ اور پیر کی صورت اپنے ذہن میں جمالے۔ یا اپنی صورت کو بعینہٖ شیخ کی صورت تصور کرے
اس کو شغل برزخ کہتے ہیں۔ یہی رابطہ شیخ ہے۔ رابطے سے صرف محبت شیخ مراد نہیں۔ بلکہ رابطہ
شیخ ایک تصور اور خیال مخصوص کا نام ہے۔ چند روز کی مداولت سے وہی صورت اشارے
سے ہدایتیں کرنے لگے گی۔ اور جب تصور زیادہ پختہ ہو جائے گا۔ تو وہی صورت ہر وقت
رفیق اور ہر معاملے میں مشیر کار ہو گی۔ اور کوئی کام بھی اس کی مرضی کے بغیر نہ ہو سکے گا۔

سوویت یونین کی تحقیقات

یہ تو ہوا عالم مثالی اور جسم مثالی (دونوں کو برزخ کہا جا سکتا ہے) کے بارے
میں صوفیا کا بیان! اب یہ دیکھیں کہ اس سلسلے میں سوویت یونین کے سائنسدانوں

کی تحقیقات کہاں تک پہونچی ہیں ؟ روسی سائنسدان رما بعد النفسیات یا E.S.P کے ماہرین کے سامنے سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ کیا۔ انسان کے خاکی جسم کے ساتھ کسی جسم مثالی (ASTRAL BODY) یا۔ انرجی باڈی" کا وجود ہے۔ جو انسانی جسم کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ قدیم زمانوں سے غیب داں۔ اہلِ قلم۔ باطنی حس رکھنے والے اور روحیت کے واقف کار ایک نادیدہ وجود کے قائل رہے ہیں۔ جو انسان کے دیدہ وجود سے منتھی رہتا ہے۔ کبھی اسے "جسم لطیف" کا نام دیا جاتا ہے۔ کبھی جسم اثیری کا لقب۔ کبھی جسم توانائی کہا جاتا ہے۔ کبھی بی ٹا باڈی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور کبھی اسے ہمزاد تصور کیا جاتا ہے انسان کا یہی جسم مثالی تمام خارق العادات مظاہر (ٹیلی پیتھی اور غیب دانی وغیرہ) کا فاعل ہے۔ رِک گل یونیورسٹی کے ڈاکٹر ولڈر پن فیلڈ کا بیان ہے کہ انھوں نے دماغ کے متعدد آپریشن کئے۔ لیکن انسانی شعور ان عملیات جراحی سے قطعاً غیر متاثر رہا۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ شعور کا مرکز گوشت پوست کا دماغ نہیں، جسم مثالی کا مثالی دماغ ہے۔ روس کے اہلِ تحقیق کا یہ بیان ہے کہ شعور براہ راست دماغ پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ بلکہ شعور جسم مثالی کے ذریعے دماغ سے کام لیتا ہے۔ بے حد نازک، نادیدہ اور حساس اعصاب (رشتوں) کے ذریعے جسم مثالی اور جسم خاکی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ زندگی اور شعور کا سرچشمہ گوشت پوست کا جسم نہیں ہے رنادیدہ پیکر ہے۔ جسم مثالی۔ ایک رابطہ پیدا کرنے والے میکانزم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی رشتہ کمزور ہو جائے تو جسمانی دماغ کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ ہر لمحہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا سائنسی طریقہ دریافت ہو جائے کہ ہم اس نادیدہ جسم کی چھان بین کر سکیں اگر واقعی یہ فرض کردہ ہمزاد نظر آگیا تو سائنسی دنیا میں انقلاب برپا ہو جائے گا۔ نہ صرف یہ کہ خود اپنے بارے میں ہمارا تصور بدل جائے گا بلکہ فن طب، نفسیات اور حیاتیات کے نظریات میں بھی بنیادی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔ سوویت یونین کے تحقیقاتی اداروں میں انسان کے جسم مثالی کی تصویر کشی کی سرگرم کوششیں جاری ہیں۔

ہائی فری کوئنسی فوٹو گرافی

۱۹۳۹ء میں (KIRLIANS) نے ہائی فری کوئنسی فوٹو گرافی کا ایک طریقہ ایجاد کیا تھا۔ ۱۹۶۰ء میں جب ہالۂ نور کی تحقیقات شروع کی گئی تو "کیرلیان" کے ایجاد کردہ کیمرہ کو اس مقصد کے لئے بے حد مفید پایا گیا۔ آج کل روس کی تمام یونیورسٹیوں اور تحقیقاتی اداروں میں "کیرلیان" کا بھی کیمرہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایک سائنسدان کا بیان ہے کہ جونہی میں نے نازک سائنسی آلات کے ذریعے جسم مثالی پر نظر ڈالی تو رنگوں کا ایک جلوس اور روشنیوں کی کہکشاں نظر آئی۔ ان روشنیوں کا رنگ۔ نیلا۔ سنہری۔ سبز اور بنفشی تھا۔ یکایک آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اب ایک حیرت انگیز ان دیکھی دنیا پیش نظر تھی۔ ان دیکھی دنیا۔ درخشاں اور نور افشاں۔ روشنیاں عجب طرح اس میں غلطاں و پیچاں نظر آتی تھیں ایسا لگتا تھا کہ ان روشنیوں کا تعلق پریزادوں کی دنیا سے ہے۔ ایک سیلاب رنگ و نور تھا کہ دور تک موجیں مار رہا تھا۔

اُبل رہا ہے اندھیروں سے سیل جلوۂ و رنگ
کھلا کہ ظلمت غم کا مزاجِ نوری ہے

ان میں بعض امواج نور مستقل تھیں اور بعض دھیمی ہو کر چمکنے لگتی تھیں۔ ان میں متعدد رنگ تھے۔ یہ بیان کسی مجذوب۔ یا کسی نشہ باز کا نہیں ہے۔ یہ ان سائنسدانوں کا اعتراف ہے جنھوں نے ہائی فری کوئنسی برقی رَو کے دائرے میں انسان کے ہالۂ نور کا مشاہدہ کیا ہے۔ انسان کا خاکی جسم اِس ہالۂ نور سے گھرا ہوا ہے۔ ہزارہا سال سے چشم باطن رکھنے والے بزرگ، غیب داں اور عارف اس کے مدعی تھے کہ وہ انسانی ہالۂ نور کے ذریعے جسمانی صحت اور دماغی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لیکن اب تک اس دعوے کو مضحکہ خیز خوش عقیدگی یا اوہام پر مبنی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب سائنس خود ان مشاہدات کی تصدیق کر رہی ہے۔ بیس سال سے روسی

سائنسدان جن میں یو ایس ایس آر کی اکاڈیمی آف سائنس کے علماء اور ارباب تحقیق بھی شامل ہیں، اس مظاہر (PHENOMENON) کی چھان بین کر رہے تھے، آخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ واقعی ہالۂ نور کا وجود ہے۔ اور سیح میح انسانی جسم کثیف کے علاوہ ایک جسم لطیف کا بھی مالک ہے مشہور معمولہ، رغیب داں، ایلیس گرٹ کا بیان ہے کہ میں نے ہر پودے ہر حیوان اور ہر انسان کو اپنے ہالۂ نور میں ملفوف پایا ہے اور اس ہالۂ نور کا رنگ انسان کی ذہنی اور جذباتی کیفیت کی تبدیلی کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ سنہ ۱۹ئہ کی ابتداء میں ڈاکٹر والٹر کلنر نے سینٹ تھومس ہسپتال میں اس حیرت انگیز مظہر کا علمی تجربہ کیا تھا۔ ڈاکٹر والٹر کلنر کا بیان ہے کہ یہ نوری غلاف یا ہالۂ جسم انسانی سے چھ تا آٹھ انچ کے فاصلے تک پھیلا ہوتا ہے۔ عرض کر چکا ہوں کہ ۱۹۳۹ء میں بحر اسود کے قریب روس کے اعلیٰ ترین ماہر برقیات کیرلیان نے الیکٹرو تھریپی (برقی علاج کے ہائی فری کوئنسی آلات کے ذریعے اپنے تجربات شروع کئے۔ ہوا یہ کہ ایک مریض کا بجلی کے ذریعے علاج ہو رہا تھا، جسم میں ELECTRODES کے ذریعے برقی رو داخل کی جا رہی تھی، کیرلیان نے دیکھا کہ جونہی برقی رو دوڑائی جاتی ہے۔ جسم اور برقی آلات کے درمیان ایک چنگاری سی چمک اٹھتی ہے۔ فوراً کیرلیان کے ذہن میں ایک نادر تصور کا اجالا پھیل گیا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا کہ

اگر میں برقی آلے اور مریض کے جسم کے درمیان فوٹو گرافی کی پلیٹ رکھ دوں تو؟

مشکل یہ تھا کہ الیکٹروڈز (برقی آلہ) شیشے کا بنا ہوا ہے اور اس صورت میں اگر اس سے برقی رو خارج کی جاتی تو فوٹو پلیٹ کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ متبادل تجویز یہ تھی کہ دھات کا برقی آلہ استعمال کیا جاتا شیشے کے بجائے، تاکہ تصویر کشی میں آسانی رہتی۔ لیکن اس کا استعمال خطرے سے خالی نہ تھا۔ کیرلیان نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے سائنسی انکشافات کی خاطر یہ خطرہ برداشت کر ہی لینا چاہیئے۔ چنانچہ کیرلیان نے دھات کے برقی آلہ کے ذریعے اپنے جسم میں برقی لہر دوڑائی۔ (فوٹو پلیٹ ساتھ منسلک تھی) اس کے ہاتھ میں شدید درد کی لہر دوڑ گئی۔ کیرلیان نے فوٹو پلیٹ کو دھو کر اندھیرے میں دیکھا تو اس کی نورانی انگلیوں کی تصویر پلیٹ پر ثبت

تھی۔ کیرلیان کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ انسانی جسم سے ایک پر اسرار روشنی نکلتی ہے اور یہ کہ فوٹو پلیٹ پر جو تصویر ابھری ہے وہ اسی ہالۂ نور سے تعلق رکھتی ہے۔ آخر اس نے ہائی فری کوئنسی فوٹوگرافی سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ اس قسم کی فوٹوگرافی کے لئے بنیادی طور پر ایک ہائی فری کوئنسی اسپارک جنریٹر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو فی سیکنڈ پچھتر ہزار سے دو لاکھ برقی لہریں (GENERATE) کرتا ہے۔ جنریٹر کے ساتھ متعدد آلات۔ بصری آلات اور الیکٹرانی خوردبینیں نصب ہوتی ہیں۔ بہر حال یہ ہے۔ انسان کے ہالۂ نور یا جسم مثالی کی تصویر کشی کا سائنسی طریق کار اب آیئے۔ ذرا اس سلسلے میں عام لوگوں کے مشاہدات کا مطالعہ کریں۔ سرور صاحب (کراچی) لکھتے ہیں کہ

آسٹرل باڈی

میری زندگی میں اب تک چند ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ جن کی کوئی عقلی تاویل ممکن نہیں۔ ایک روز رات کو آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر سراسیمہ ہو گیا کہ میرا اپنا نورانی جسم میرے سامنے موجود ہے۔ میں چپ چاپ اپنی جگہ لیٹا رہا۔ شاید میری آنکھ اس نورانی جسم کی سرگوشی سے ہی کھلی تھی۔ میرا پیکر نور (ASTARAL-BODY) مجھ سے کہہ رہا تھا کہ

میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں دکھاؤں کہ ایک اس سے بھی زیادہ حسین دنیا موجود ہے۔ تم جس دنیا میں رہتے ہو۔ وہ اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اٹھو چلو! میں تمہیں آسمان کی سیر کراؤں گا میں تمہیں دکھلاؤں گا کہ حسن و نور میں کیا کیا عجائبات ہیں۔ آخر اس جسم میں مقید رہنے سے کیا فائدہ ہے؟ تم جس جسم کی فکر کرتے ہو۔ وہ تو کچھ بھی نہیں۔ یاد رکھو کہ اس جسم کو چھوڑ دینے کے بعد تم پچھاڑ گے نہیں۔ سرور صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے اس وقت نہ کوئی خوف تھا نہ گھبراہٹ (حالانکہ یہ گھبراہٹ اور خوف کے مستقل مریض ہیں) اپنے جسم نورانی کی یہ گفتگو میں گوش سر (گوشت پوست کے کان)

سے نہیں۔ گوشِ دل سے سُن رہا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ میں راضی ہو گیا۔ میں نے الفاظ کی زبان سے نہیں۔ خیال کی زبان سے جواب دیا یعنی سوچا کہ اچھا چلو میں تیار ہوں۔ یکایک ایسا محسوس ہوا کہ میرے پیروں سے کوئی چیز دل کی طرف آرہی ہے۔ فوراً اندیشہ ہوا کہ کہیں روح تو بدن کے پنجرے سے آزاد نہ ہو جائے گی۔ اگر ایسا ہوا۔ تو پھر میں کس طرح قفس آب و گل (جسم) میں واپس آؤں گا۔ اس اندیشے کے ساتھ ہی میں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور آدھ گھنٹہ تک اس عجیب و غریب تجربے کے بارے میں سوچتا رہا۔ لیکن پھر اس کے بعد مجھے خواہش نہ ہوئی کہ اپنے جسم نورانی سے کبھی مڈبھیڑ ہو۔ کیونکہ میں ابھی اس دنیا کو ترک کر کے سفرِ آخرت اختیار کرنا نہ چاہتا تھا۔ دوسرا عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ میری والدہ اور چھوٹی بہن پنجاب گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے لکھا کہ ہم فلاں دن آرہے ہیں۔ جب وقت مقررہ پر وہ لوگ نہ پہنچے تو مجھے سخت تشویش ہوئی دن بھر اسی فکر و پریشانی میں مبتلا رہا۔ رات کو عالم خواب میں نہیں۔ بحالت بیداری کھلی آنکھوں بستر پر لیٹے لیٹے دیکھا کہ میں ریل کے ڈبے میں سوار ہوں۔ اور اس ڈبے میں والدہ اور بہنیں بیٹھی ہیں۔ میں نے والدہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے ؟ کل تم لوگ کیوں نہیں آئے ؟ تو والدہ نے کہا کہ ہمیں گھی نہیں ملا تھا۔ اس لئے نہ روانہ ہو سکے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ خیر کوئی بات نہیں کل اسٹیشن پر ملاقات ہو گی۔ یہ منظر جس تیزی کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ اسی تیزی سے غائب ہو گیا ٹرین کی جو آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ بھی ختم ہو گئی۔ میں بدستور اپنے بستر پر لیٹا تھا اس عجیب و غریب منظر کی کیفیت میں گم! بہت سوچا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ آخر یہ سب کیا تھا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کراچی میں اپنے مکان کے اندر بستر پر بھی لیٹا ہوں اور عین اس وقت لاہور سے کراچی آنے والی ٹرین میں بھی سفر کر رہا ہوں۔ والدہ سے سوال کرتا ہوں۔ وہ جواب دیتی ہیں۔ ٹرین کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ کانوں میں گونج رہی ہے اور سفر کا پورا سماں نظر کے سامنے ہے۔ آخر یہ کیا معمہ ہے ؟ یہ کیا چکر ہے ؟ بہت سوچا مگر اس معمے کو نہ جب حل کر سکا تھا۔ نہ اب! صبح گھر والوں کو لینے اسٹیشن گیا تو والدہ نے کہا کہ گھی نہ ملنے کے سبب ہم "لیٹ" ہو گئے تھے،

ایک اور واقعہ سنیئے۔ دو بجے رات کے میں فلم دیکھ کر پیدل گھر کی طرف آ رہا تھا۔ ایک درخت کے نیچے سے گذرا تو ایک زبردست پھنکار سنائی دی۔ اور پوری فضا۔ درخت۔ راستہ اور میں خود زرد نارنجی روشنی میں نہا گیا۔ یہ روشنی چند لمحے قائم رہ کر نظر سے اوجھل ہوگئی۔ اتنا اور عرض کردوں کہ اس منظر کے رونما ہوتے ہی رگ رگ میں خون اچھلنے لگا تھا۔ اور یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ذہن میں سوئیاں سی چبھ رہی ہیں۔ اس کے بعد ایک اور مصیبت نازل ہوئی۔ یکایک چھ سات کتے میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ انھوں نے چاروں طرف حلقہ ڈال دیا۔ اور لگے مجھے گھورنے اور غرّانے! وہ سب اوں اوں کر کے عجیب بے سرا مگر خوفناک راگ الاپ رہے تھے۔ کتوں کو دیکھ کر میں چکرایا تو، مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔ دھتکارا تو سب بھاگ نکلے۔ گھر پہنچ کر دیر تک زرد رنگ کی روشنی کے بارے میں سوچتا رہا۔

روحانی حواس

روحانی حواس۔ PSYHIC SENSES۔ ایک ایسی حقیقت ہیں، جسے اب علماء نفسیات (مابعد النفسیات) تسلیم کرنے لگے ہیں۔ انسانی وجود کا مطالعہ چار پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے۔ (۱) جسمانی پہلو یہ طب الاعضاء کا کام ہے۔ (۲) نفسیاتی پہلو یہ علم النفس کے ماہرین کا کام ہے (۳) مابعد النفسیات پہلو۔ مثلاً تنویمی مظاہر اور (۴) روحانی پہلو! وجود انسانی کے جسمانی اور نفسیاتی پہلو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ہم پانچ ظاہری حسوں کے ذریعے بیرونی دنیا سے اثر پذیر ہوتے ہیں اور اس تاثر کے نتیجے میں ہم سے کچھ جوابی حرکات صادر ہوتی ہیں۔ مثلاً پر اسرار آہٹ پر ہمارے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعید از توقع نظارے کو دیکھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ تیز بو سے چھینکیں آنے لگتی ہیں۔ لیموں کے تصور سے مونہہ میں پانی بھر آتا ہے۔ اور بعض اوقات کبھی جذباتی تاثر کے تحت یہ احساس ہوتا ہے کہ جسم پر چیونٹیاں سی رینگ رہی ہیں۔

بچیونٹیاں جیسے ذہن پر رینگیں

اُف یہ میرے لطیف احساسات

شرمناک مناظر سے شرما جانا۔ ہولناک تصاویر سے ڈر جانا۔ غمناک واقعات سُن کر آنسو بہنے لگنا اور ندامت سے جسم کا پسینے پسینے ہو جانا! ایسے مواقع پر نفس اور جسم ساتھ مِل کر کام کرتے ہیں۔ شخصیت کا مابعد النفسیاتی پہلو (مابعد النفسیاتی) یہ ہے کہ کسی ظاہری وسیلے کے بغیر دوسروں کی کیفیات قلب معلوم کر لی جاتی ہیں۔ کبھی کبھی سچے خواب نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی مستقبل کا کوئی رُخ یکایک نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے تو یہ وجود کا سب سے زیادہ گہرا۔ بے پایاں اور پر اسرار پہلو ہے۔ ہمارے یہاں تصوف میں روحانیت کا مفہوم بالکل مختلف ہے۔ یورپ میں جس چیز کو SPRITUALISM کہتے ہیں۔ اس کا تعلق صرف حاضرات ارواح سے ہے۔ تصوف میں روحانیت صدق مقال۔ اکل حلال۔ تصوّر جمال بعرفان حال اور شوق وصال کو کہتے ہیں۔ یعنی سچ بولنا۔ حلال روٹی کھانا۔ کائنات کی ہر شے میں حسن و جمال کا مشاہدہ کرنا۔ اپنی ذہنی حالت کو پہچاننے کی کوشش اور اپنی انفرادی وجود کو ختم کر کے ایک بیکراں ذات میں کھو جانے کی آرزو اور جستجو۔ یہ ہے سچی۔ حقیقی اور بے لاگ روحانیت۔

دل غم دو جہاں میں ڈوب گیا۔

بے کراں بے کراں میں ڈوب گیا۔

بریگیڈیر شامی کی روح

شیخ محمود (ناظم آباد کراچی) لکھتے ہیں کہ

عجیب بات یہ ہے کہ میں نے مندرجہ ذیل مضمون کا ایک خط (ستمبر ۱۹۶۹ء میں) تحریر کیا تھا۔ روانہ نہ کر سکا۔ یقین کیجئے۔ میں کافی دن سے سوچ رہا تھا کہ آخر رئیس صاحب حاضرات

ارواح پر کیوں نہیں لکھتے؟" عرض یہ ہے کہ چند روز ہوئے کسی مقامی اردو رسالے میں "جہاد ستمبر کے نامور شہید" بریگیڈیئر شامی شہید پر ایک مضمون نظر سے گذرا۔ جو غالباً مرحوم کی بیٹی سے سوال جواب پر مشتمل تھا۔ اس بچی نے صاف طور پر بتایا کہ شامی شہید کی رُوح کو کئی بار اس نے اور اس کے گھر والوں نے محسوس کیا بلکہ دیکھا ہے۔ اس کے بعد شیخ محمود لکھتے ہیں کہ، کیا عالم ارواح ایک حقیقت نہیں؟ جس کا تصور اسلام میں موجود ہے۔ کیا ہم مرنے کے بعد ایک ایسی دنیا میں قیامت تک کے لئے نہیں جا بستے۔ جو ہماری اس دنیا سے گہری مماثلت رکھتی ہے۔ انہی مظاہر کی تحقیق میں راقم الحروف نے یورپ و امریکہ کے چند سالہ دوران قیام میں روحانیت کی انجمنوں سے گہرا تعلق پیدا کر لیا ہے۔ میں نے حاضرات ارواح کے جلسوں (SEANCS) میں باقاعدہ شرکت کی ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ابتدا میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا کسی سفارش کے بغیر ان مجالس میں داخلہ قطعی ممکن نہیں۔ اس لئے نہیں کہ روحانیت پسند لوگ تنگ نظر ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ حاضرات ارواح کے جلسوں میں کسی اجنبی کی موجودگی سے روحوں کی آمد اور خارق العادات مظاہر کے ظہور میں خلل پڑ جاتا ہے۔

شرلاک ہومز کے مصنف

سر آرتھر کانن ڈائل انجمن روحانیت کے بانیوں میں شامل تھے۔ نیز سر الیور لاج مشہور سائنس داں، پروفیسر جوڈ (فلسفی) اور حال ہی میں پروفیسر فنڈ نے اس موضوع پر خیال افروز بحثیں کی ہیں۔ عالم ارواح یعنی برزخ کی چھان بین کرنے والوں کا بیان ہے کہ برزخ یا عالم مثال سات طبقوں پر مشتمل ہے۔ پہلا طبقہ زمین سے متصل ہے۔ جسمانی موت کے بعد انسان کا مثالی جسم

آزاد ہو کر برزخ کا رخ کرتا ہے اور اپنی روحانی ساخت کے مطابق برزخ کے سات طبقوں میں سے کسی ایک طبقے میں قیام کرتا ہے۔ عالم مثال میں انسان کی ترقی اس کی سابقہ زندگی، جو اس نے اس دنیا میں بسر کی ہے۔ کے ریکارڈ پر منحصر ہے۔ اگر وہ ترقی یافتہ نفس کا مالک ہے، تو موت کے بعد وفات یافتہ کا جسم مثالی عالم مثال کے اعلیٰ طبقے میں قیام کرے گا اور اگر اس کے نفس پر کثافت غالب ہے تو برزخ کے ساتوں طبقات میں اس کی ترقی درجہ بدرجہ ہو گی۔ جن روحوں کے ذریعے عالم مثال کے حالات معلوم ہوئے ہیں۔ ان کا متفقہ بیان ہے کہ برزخ کے ساتویں طبقے کے بعد ترقی ممکن نہیں۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ ساتویں طبقے کے بعد کسی قسم کی کائنات آباد ہے۔ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ہر طبقہ بجائے خود ایک کائنات ہے۔ جس میں چاند سورج سیارے ستارے۔ چرند پرند اور نباتات و حیوانات غرض سبھی کچھ موجود ہے۔ گویا عالم مثال میں زندگی پوری توانائیوں اور اعلیٰ تر لطافتوں کے ساتھ رواں دواں ہے۔ ہاں شرلاک ہومز کے مصنف سر آرتھر کانن ڈائل کا بیان ہے کہ اس نے خود عالم مثال کے متعدد طبقات کا علمی مطالعہ کیا ہے اور یہ کہ اسے پوری طرح یقین ہے کہ گوشت پوست کے جسم کی فنا کے بعد انسانی نفس پر عالم بقاء کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پاکستان کی مشہور شخصیت قدرت اللہ شہاب کو روحانیت سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔ موصوف نے بیان کیا کہ جب وہ ہالینڈ میں پاکستانی سفیر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے، تو انھوں نے ہالینڈ کی مجالس روحانیت کی کارکردگی کا بھی جائزہ لیا تھا۔ شہاب صاحب کا بیان ہے کہ ہالینڈ میں حاضرات ارواح کا فن باقاعدہ سائنس کی حیثیت اختیار کیا گیا ہے۔ سلجھے ہوئے نفسیات داں اس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ اور ان کی کوششوں کی بدولت عالم مثال سے باقاعدہ تعلق پیدا ہو چکا ہے

لباس جسم سے برہنہ

ایک محترم خاتون (نام ظاہر کرنے کی اجازت نہیں) لکھتی ہیں کہ

۱۹۴۷ء میں جب میں چھٹیاں گذارنے کے لئے سری نگر (وادی کشمیر) میں مقیم تھی تو اکثر بحالت خواب ایک کوٹھی کو دیکھتی اور اس کے پائیں باغ میں گھوما کرتی تھی۔ باغ کی سیر کرتے ہوئے سیب اور مالٹے کھاتی اور لکڑی کے بنے ہوئے ایک زینے پر چڑھا کرتی یہ منظر اکثر خواب میں نظر آتا۔ اس وقت میں نویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ جب تک سری نگر میں رہی۔ یہ خواب نظر آتا رہا۔ لاہور واپس آنے کے بعد اس منظر خواب کو رفتہ رفتہ بھول گئی۔ دوبارہ کشمیر جانے کا موقع نہ ملا۔ لاہور سے شملے جانا ہوا تو خواب میں پھر وہی کوٹھی، وہی باغیچہ اور وہی منظر دکھائی دیا۔ اضافہ یہ کہ اس موقع پر دو تین لڑکیاں بھی باغ میں موجود تھیں خواب حیرت انگیز ضرور تھا۔ مگر میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ اور اپنی تعلیم اور زندگی کے ہنگاموں میں غرق رہی۔ باوجودیکہ اس کوٹھی اور باغ سے مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ پھر بھی خواب میں یہ چیزیں ضرور نظر آتیں۔ ایک مرتبہ تو خواب میں اس کوٹھی کی صفائی بھی کی۔ جالے صاف کئے۔ یہ خواب آج بھی نہایت تفصیل و وضاحت کے ساتھ یاد ہے۔ ۱۹۵۳ء میں بحالت خواب دیکھا کہ میں اس کوٹھی کے اندر کسی دعوت میں شریک ہوں۔ دعوت میں بہت سے مرد و عورت موجود تھے۔ اب ۱۹۵۴ء شروع ہو چکا تھا۔ میں ایم اے پاس کر کے گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں لیکچرار لگ گئی۔ یہ کالج اسی سال سکھوں کے ایک پرانے اسکول کی عمارت میں کھلا تھا چونکہ رہائش کا خاطر خواہ انتظام نہ تھا اور جگہ جگہ سیلاب آنے کی وجہ سے راستے بند تھے۔ اس لئے کالج کی ایک پرانی سہیلی کے ساتھ جو وہاں مقیم تھی ٹھہر گئی۔ اس رات پھر وہی کوٹھی۔ وہی باغیچہ اور وہی مناظر خواب میں نظر آئے اور میں ساری رات اس حیران کن خواب کو دہراتی رہی۔ صبح جاگی تو بالکل تر و تازہ تھی جیسے منزل مقصود پالی ہو۔ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی کہ چونکہ ملازمت مل گئی ہے اس لئے دماغ اٹھکیلیاں کر رہا ہے۔ دو روز کے بعد میری سہیلی نے ایک اور خاتون لیکچرار سے میری ملاقات کرائی مجھے دیکھتے ہوئے اس خاتون کی چیخیں نکل گئیں۔ جیسے میں کسی اور دنیا کی مخلوق

ہوں۔ نئی دوست سے مل کر مجھے بھی یقین ہو گیا کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ مگر کہاں دیکھا ہے دماغ پر ہر چند زور ڈالا۔ کچھ یاد نہ آیا۔ پھر یکایک حافظے میں ایک کرن سی چمکی۔ یاد آیا کہ یہ وہی لڑکی ہے۔ جو اکثر بحالت خواب اس کوٹھی میں نظر آتی تھی۔ اس وقت ہم دونوں نے ایک دوسرے پر کچھ ظاہر نہ کیا۔ خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ اور لوگ بھی موجود تھے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں جب وہ خاتون لیکچرار اندر جانے لگیں تو مجھے بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ میں تو جیسے اس کے لئے تیار ہی بیٹھی تھی۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ منور (خاتون لیکچرار) کا بنگلہ قریب ہی واقع تھا۔ جوں ہی بنگلے پر نظر پڑی۔ خوشی اور حیرت سے میری چیخ نکل گئی۔ کیونکہ یہ وہی بنگلہ۔ وہی کوٹھی اور وہی باغیچہ تھا۔ جسے بیسیوں بار میں عالم خواب میں دیکھ چکی تھی۔ وہی منظر۔ وہی برآمدے۔ وہی راستہ اور وہی ماحول۔ غرض سب کچھ وہی جسے سوتے میں اتنی بار دیکھا تھا وہ رات میں نے منور کی اس کوٹھی میں بسر کی۔ پھر تو اکثر وہاں جانے لگی۔ ہفتے کی رات اور اتوار کا دن تو خصوصیت کے ساتھ وہاں بسر کرتی۔ درحقیقت اب میری حیثیت اس گھر کے ایک فرد کی سی ہو گئی تھی۔ کیا یہ وہی بنگلہ اور باغ تھا۔ جو ۱۹۴۶ء سے میرے خوابوں میں بسا ہوا تھا؟ کیا اس کوٹھی کی ہر چیز میری جانی پہچانی نہ تھی؟ میں اس مکان سے اتنی واقف تھی کہ اگر منور اور اس کی والدہ کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو بلا تکلف اسٹور میں گھس جاتی اور وہ چیز نکال لاتی۔ کچھ دن بعد منور کی ایک بہن اپنے بچوں کے ساتھ دہلی سے آگئیں۔ منور کی بہن نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔ کیا یہ وہی نہیں ہیں جو ہمیں ڈرایا کرتی تھیں۔ یہ تو میری الوداعی دعوت میں بھی موجود تھیں۔

آسیب کا شبہ

منور کی بہن کے اس اقرار سے ساری بات کھل گئی۔ بات یہ تھی کہ اس کوٹھی کے رہنے والے لوگ (منور کی بہن اور والدہ) مجھے سالہا سال اس کوٹھی میں گھومتے پھرتے دیکھ چکے تھے۔

انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک روز ان کی نوکرانی نے مجھے کوٹھی میں چہل قدمی کرتے دیکھا۔ وہ اس قدر ڈری کہ نوکری چھوڑ کر بھاگ گئی۔ نوکرانی کے باپ نے دیکھا کہ کوٹھی کی سیڑھیوں پر ایک اجنبی لڑکی کھڑی ہے (اجنبی یعنی میں) وہ غریب اس قدر بدحواس ہوا کہ سیڑھیوں سے لڑھک گیا۔ اسے خیال ہوا کہ یہ کوئی آسیب ہے۔ اکثر شب میں کوٹھی کے اندر ایک پر اسرار اجنبی لڑکی ادھر سے ادھر گھومتی دکھائی دیتی۔ یہ بات اس قدر مشہور تھی کہ وہ کوٹھی آسیب زدہ قرار دے دی گئی تھی۔ رئیس صاحب! کیا یہ بات قابل تسلیم ہے۔ عقل میں آتی ہے کہ میں سری نگر یا شملے (یا لاہور) میں بقید حیات موجود ہوں اور ارادے کے بغیر میرا زندہ بھوت گوجرانوالہ کی اس کوٹھی اور اس باغیچے میں چہل قدمی کیا کرے اور یہ بھوت اس کوٹھی کے رہنے والوں کو بھی نظر آئے۔ بعض نے کہا کہ انہیں اس کوٹھی میں ایک ہیولیٰ۔ یا دھندلا سا سایہ ٹہلتا نظر آتا ہے۔ بھوت نظر آتا ہے اور سر سے گذر جاتا ہے۔ مگر دکھائی کچھ نہ دیا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ رات کے کھانے کے وقت منور نے جب کرسی پر بیٹھنا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ کرسی پر کوئی بیٹھا ہوا ہے۔ مگر دکھائی کچھ نہ دیا۔ منور کی بہن نے میرا چہرہ دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ میں پلیٹ سے نوالہ اٹھا رہی ہوں۔ پھر یکایک غائب جب تک میں گوجرانوالے میں رہی۔ ان لوگوں سے گھریلو تعلقات رہے۔ اور یہی پر اسرار واقعات زیر بحث آتے رہے۔ میں نے وہاں رہ کر وہ تربیت حاصل کی۔ جو آج تک میرے کام آ رہی ہے پہلے میں کم سخن شرمیلی اور سادہ لوح تھی۔ وہاں رہ کر میں نے بہت کچھ سیکھا۔ جناب والا! کیا آپ کے علم میں پہلے بھی اس قسم کا کوئی واقعہ آ چکا ہے۔؟ زندگی میں بہت سے عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں۔ جو اب تک مجھے حرف بحرف یاد ہیں۔ یہ ہیں ایک گمنام خاتون کے بیانات (جن کا خط بطور ایک دستاویز کے میرے ذخیرہ خطوط میں محفوظ ہے) ممکن ہے کہ آج ان شخصی اور انفرادی تجربوں کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو۔ ان مشاہدوں کو وہم و خیال کہہ کر ٹال دیا جائے لیکن مابعد النفسیات کا فن اس تیزی سے ترقی کر رہا ہے کہ کل کو ان واقعوں اور مشاہدوں اور تجربوں کی باضابطہ چھان بین ہوگی اور نفس انسانی کے وہ قوانین معلوم کر لئے جائیں گے۔ جن کے زیر اثر

اس قسم کے خارق العادہ (سپر نارمل) واقعات و مظاہر رونما ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت تجربات کے اس نادر ذخیرہ کی بے حد قدر ہوگی اور مجھے امید ہے کہ میں جو اس قسم کے خطوط کا دفتر جمع کر رہا ہوں۔ (افسوس کہ ان نادر خطوط کو جمع کرنے کا خیال بہت دیر میں آیا اور ابتداء میں ہزاروں خطوط ضائع کر دیئے گئے) وہ تحریریں مابعد النفسیات کے محققین اور علماء کی نظر میں نادر ترین قرار پائیں گی۔

میں پڑھ رہا ہوں ابھی سے کتاب فردا کو

نتائج

ہم اس خاتون کے تجربے سے کس نتیجے تک پہنچے۔ آیئے اس پر غور کریں۔ یہ خاتون ۱۹۴۶ء میں سری نگر گئیں اور وہاں انھوں نے پہلی مرتبہ یہ خواب دیکھا کہ وہ ایک کوٹھی اور اس کے پائیں باغ کی سیر کر رہی ہیں۔ یہ کوٹھی اور باغیچہ سری نگر سے سینکڑوں میل دور گوجرانوالے میں واقع تھا۔ خواب دیکھنے والی خاتون کو نہ اس باغ کی ہوا لگی تھی نہ اس کوٹھی کی۔ نہ جانے وہ کون سا پر اسرار رشتہ تھا جو انھیں سری نگر سے کھینچ کر گوجرانوالے لے گیا۔ یہ خواب بار بار نظر آتا رہا۔ خاتون کا نفس اس منظر کو بار بار دہراتا رہا۔ اور گوجرانوالے میں اس کوٹھی کے مکینوں نے اکثر ایک پر اسرار لڑکی کو دیکھا کہ وہ بنگلے اور باغ میں گھومتی نظر آتی ہے اور یکایک غائب ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک ہیولیٰ دھندلا سایہ دکھائی دیتا ہے اور نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ کوٹھی کے رہنے والوں نے اس پر اسرار لڑکی کو بھوت سمجھا اور یہ عمارت آسیب زدہ مشہور ہو گئی۔ کوٹھی کے رہنے والے (منور۔ ان کی بہن اور والدہ) اس لڑکی کے چہرے سے اس قدر مانوس ہو گئے کہ جب ۱۹۵۴ء میں انھوں نے کوٹھی میں گاہے گاہے نظر آنے والے آسیب کو اپنی نظروں سے دیکھا تو منور کی چیخ نکل گئی۔ اس کے ساتھ خواب دیکھنے والی خاتون کو یاد آیا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو اسے بحالت

خواب کوٹھی میں نظر آیا کرتی تھی۔ یہ خاتون اس کوٹھی کی ہر چیز سے واقف تھیں یہاں تک کہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ گودام میں فلاں برتن یا فلاں چیز کہاں رکھی ہے؟ اس واقعے سے چند واضح نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ یہ کہ خاتون کا جسم مثالی کسی انجان کشش کی بناء پر اس کوٹھی میں پہنچ جاتا تھا۔ جسم مثالی اس قدر واضح تھا کہ دوسروں کو بھی نظر آتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھاتا تھا کیا اس کے معنی یہ نہیں کہ جسم مثالی بھی وہی فرائض انجام دیتا ہے جو گوشت پوست کے جسم کو انجام دینے پڑتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ خاتون کے اس خواب اور اس مشاہدے کی توجیہہ کس طرح ہوگی؟ اور اس گتھی کو کس طرح سلجھایا جائے گا؟ نفسیات دانوں کی نظر میں سرے سے یہ واقعہ غلط اور یہ مشاہدہ بھی فریب خیال اور فریب تصور پر منحصر ہے۔ وہ تو اس کہانی کو سنتے ہی ہنسنے لگیں گے۔ اور اس خاتون کے لئے سکون بخش گولیاں تجویز کر دیں گے۔ تاکہ اس قسم کا کوئی تجربہ خلل اعصاب (نیوراسز) کی بناء پر خواب یا بیداری میں پیش نہ آئے۔ چلئے چھٹی ہوئی لیکن مابعد النفسیات والے اس وقوعے اور تجربے پر غور کریں اور جب انہیں تجربے کی صداقت کا یقین ہو جائے گا۔ تو پورے معاملے کی تشریح اور توجیہہ اس طرح کریں گے کہ خواب دیکھنے والی اور گوجرانوالے کی کوٹھی میں گشت لگانے والی خاتون پیدائشی طور پر "روحیت پسند" واقع ہوئی ہیں۔ روحیت پسندوں کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مثالی یا نورانی جسم کو کبھی کبھی ارادے سے یا غیر ارادی طور پر آزاد چھوڑ دیں اور اس کے ذریعے براہ راست تجربات حاصل کریں۔ خواب میں ان خاتون کا مثالی جسم کسی گہری مناسبت اور نامعلوم کشش کی بناء پر (جس کا انکشاف تحلیل نفسی کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے) گوجرانوالے کے باغ اور کوٹھی میں جا پہنچتا اور وہاں کے رہنے والوں کو نظر آتا تھا۔ گویا اس خاتون کا خواب وہاں بیداری بن جاتا تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء تک یعنی آٹھ سال جاری رہا۔ تا اینکہ یہ خاتون گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ میں لیکچرار مقرر ہو گئیں اور اپنی سہیلی نسیم کے ذریعے ان کا تعارف منور سے ہوا۔ اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہی پہچان گئیں۔ کیونکہ یہ خاتون منور کو کئی مرتبہ بحالت خواب اپنے قریب دیکھ چکی تھیں۔ اور منور نے بحالت

بیداری اپنے باغ میں ٹہلتے اور مالٹے کھاتے دیکھا تھا۔ مابعد النفسیات والے اس کے علاوہ اور کیا تشریح کر سکتے ہیں۔

قبل از تاریخ کی لڑکی

پچھلے دنوں ہم کچھ دوست ٹیکسلا گئے۔ اس وقت میرا ذہن بالکل صاف اور واضح تھا ماحول اور موسم نے تمام تفکرات دور کر دیئے تھے۔ ٹیکسلا کی سیر کرتے ہوئے ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ اب میرے لئے ایک معمے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ واقعہ درج ذیل ہے۔ سنیئے ٹیکسلا کی سیر کرتے ہوئے مجھ پر اونگھ اور غنودگی طاری ہونے لگی۔ اس کیفیت میں محسوس ہوا کہ یہ مقام اور جگہ کبھی پہلے بھی دیکھی ہے۔ حالانکہ کبھی اس سے پہلے وہاں جانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ یکایک میری نظروں کے سامنے ہزاروں سال پہلے کا منظر آگیا۔ دیکھا کہ میں ٹیکسلا کی آبادی کے زمانے میں پہنچ گیا ہوں (یعنی کئی ہزار سال پہلے) اور ایک لڑکی سے پیار کرتا ہوں۔ ناگہاں وہ لڑکی ہنستی ہوئی کسی مکان سے باہر نکل آئی۔ اور مجھ سے بڑے پیارے لہجے میں مہر و محبت کی باتیں کرنے لگی۔ میں زمانۂ قبل از تاریخ کی اس لڑکی سے گھل مل کر ابھی باتیں کر ہی رہا تھا کہ ایک اور خوفناک آدمی نمودار ہوا۔ اس نے حسد اور نفرت کے جذبات سے مغلوب ہو کر ہم پر حملہ کیا اور لڑکی کو قتل کر ڈالا۔ فوراً میرے اندر انتقام کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ آنکھوں میں خون اتر آیا اور میں دیوانوں کی طرح چلانے لگا کہ میں اس شخص سے انتقام ضرور لوں گا، ضرور انتقام لوں گا۔ یہ واقعہ ہے۔ جو ٹیکسلا کی سیر کرتے ہوئے نیم بیداری اور نیم غنودگی کی حالت میں پیش آیا۔ یہ منظر (VISION) چند لمحے کے لئے نمودار اور نمایاں ہوا۔ اور جس طرح اچانک ابھرا تھا۔ اسی طرح یکایک نظر سے غائب ہو گیا۔ یہ سچا واقعہ تھا یا غلط فہمی؟ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ غلط فہمی ہی ہو سکتی ہے۔ تاہم یہ غلط فہمی (فریب سماعت۔ فریب بصارت اور فریب تصور) اب تک پریشان کئے ہوئے ہے۔ میرا تعلق خاندان سادات سے ہے "سید"

ہونے کی بنا پر اس قسم کے وہموں میں مبتلا ہونا میرے لئے بے حد شرمناک ہے۔ اپنے متعلق اتنی بات عرض کردوں کہ ہر مہینے چاند کی چودھویں تاریخ کو شدت سے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ نیم جنونی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس خیال سے آوارہ گردی کرتا رہتا ہوں کہ شاید وہ لڑکی۔ دہ رفتہ قبل از تاریخ کی لڑکی۔ کہیں مل جائے تو پوچھوں کہ اس قاتل کا نام تھا؟ کیا آواگون مختلف جنم تبدیل کرنا، سے اس کا کوئی تعلق ہے؟ یہ خط ایم اے زاہر گیلانی کا کھاریاں سے وصول ہوا ہے اس مضمون کا یہ پہلا بیان نہیں ہے۔ بہت سے حضرات نے مختلف مواقع پر اسی یا اسی سے ملتی جلتی کیفیات محسوس کی ہیں۔ مثلاً ناصر علی (لاہور) کا بیان ہے کہ میں ٹریولنگ ایجنٹ ہوں اور ہر لحظہ سفر میں رہتا ہوں۔ بار بار ایسا ہوا ہے کہ کسی جگہ پہنچا تو یکایک احساس ہوا کہ یہاں پہلے بھی آچکا ہوں (کوٹ ڈی جی (خیر پور) جاتے ہوئے راستے بھر ذہن پر یہ تصور غالب رہا کہ میں بارہا اس راستے سے گذرا ہوں۔ کوٹ ڈی جی پہنچا تو اندر سے آواز آئی کہ تو یہیں کا رہنے والا ہے۔ گھنٹوں وہاں کے کھنڈروں میں گھومتا رہا۔ روح نے عجیب و غریب لذت محسوس کی۔ شب وہیں بسر کی اور یقین کیجئے کہ سونے کے قصد سے جونہی آنکھیں بند کیں اپنے کو کوٹ ڈی جی کی قدیم بستی میں پایا۔ اونٹوں کے قافلے۔ قدیم بلوچیوں اور سندھیوں کے ہجوم، پرانے طرز کے سپاہیوں کے دستے۔ ایکایک شور مچا کہ ڈاکو آرہے ہیں۔ ڈاکو آرہے ہیں!

عجیب قسم کی وحشت اور دہشت چاروں طرف پھیل گئی۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور ۱۹۶۹ء کی دنیا میں واپس آگیا۔ اس منظر کو دیکھتے وقت احساس یہ تھا کہ زمانہ پانچ سو برس پیچھے لوٹ گیا ہے اور میں پانچ سو برس قبل کا آوارہ گرد سیاح ہوں۔ اور ان تمام واقعات میں عملی حصہ لے رہا ہوں۔ جو پانچ صدی قبل پیش آئے تھے۔ آہ وہ منظر۔

ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

عام اور سادہ تشریح

ناصر علی صاحب اور زاہر گیلانی کے بیانات کی سادہ، عام فہم اور آسانی کے ساتھ سمجھ میں آنے والی تشریح تو یہ ہو سکتی ہے کہ پیدائشی طور پر زاہر گیلانی اور ناصر علی شدید الاحساس اور اثر پذیر واقع ہوئے ہیں۔ احساس کی شدت رکھنے والے لوگ حد درجہ تخیل پسند ہوتے ہیں۔ بعض اوقات شدت احساس کے سبب یہ لوگ تصورات کو مجسم شکل میں دیکھ سکتے اور دیکھ لیا کرتے ہیں۔ زاہر گیلانی نے ٹیکسلا کے بارے میں بہت سی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ ممکن ہے کہ کوئی دستاویزی فلم بھی دیکھی ہو۔ اور اس فلم میں کسی لڑکی کے منظر قتل کو فلمایا گیا ہو۔ عین ممکن ہے کہ یہ تمام فسانے اور مناظر ان کے نہاں خانہ دماغ یا لاشعور میں محفوظ ہوں۔ ٹیکسلا کی سیر کرتے ہوئے کسی اندرونی جذبے کی بناء پر ان پر غنودگی کی کیفیت اور اونگھ طاری ہو گئی۔ جونہی غنودگی کے سبب شعور کی کارکردگی کی رفتار سست پڑی ٹیکسلا کے بارے میں زاہر گیلانی کی تمام پرانی یادیں اور قدیم یادداشتیں جو لاشعور میں دبی پڑی تھیں، یکایک شعور کی سطح پر ابھر آئیں۔ اور انھوں نے وہ سب کچھ دیکھا جو آج ایک ذہنی الجھن کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ شدید الاحساس لوگوں (SENSETIVE) کی پہچان یہ ہے کہ اکثر چڑھتے ہوئے چاند کے زمانے، خصوصیت کے ساتھ قمری مہینے کے دوسرے ہفتے (ساتویں سے چودھویں تک) میں ان پر سخت جذباتی دورے پڑتے ہیں۔ یہ جذباتی دورے میں بہت سے حضرات کا سابقہ خیالی شکلوں اور قیاسی آوازوں سے بھی پڑتا ہے۔ خود زاہر گیلانی نے اعتراف کیا ہے کہ "چاند کی چودھویں تاریخ کو ان پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہو جاتی ہے" طب کی اصطلاح میں اسے غلبۂ سوادیت کہتے ہیں۔ جس طرح چاند کے عروج و زوال سے سمندروں میں جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح چاند کی چڑھاؤ (عروج قمر) سے انسانی جسم میں دوڑنے والے خون کے اندر بھی جزر و مد پیدا ہو جانا بعید از امکان نہیں۔

ناصر علی کو کوٹ ڈی جی میں جو ذہنی تجربہ پیش آیا۔ اس کی وضاحت بھی اسی طرح کی جاسکتی ہے یہ تو ہوئی۔ ان واقعات کی سادہ اور عام تشریح! لیکن معاملہ اغلب یہ ہے کہ اس سے زیادہ گہرا ہے۔ زاہد گیلانی اور ناصر علی کے مشاہدات و تجربات کی تشریح دوسری طرح بھی ممکن ہے۔ پروفیسر جوڈ نے اپنی فکر آفرین کتاب "افکار حاضرہ" کے ساتویں باب میں عالم ارواح وغیرہ کے موضوعات پر بحث کرتے ہوئے حسب ذیل واقعہ درج کیا ہے۔

سنہ ۱۹۰۱ یا سنہ ۱۷۸۹ء

سنہ ۱۹۰۱ء میں دو انگریز عورتیں مس جوبرلی اور مس جورڈین وارسائی (فرانس) کے میدانوں میں گھومتے گھومتے یکایک اٹھارویں صدی میں پہنچ گئیں اور ملکہ آنطونٹ کو دیکھ لیا ان دونوں خواتین کا بیان ہے کہ اگست سنہ ۱۹۰۱ء میں ان کا گذر تریان کے میدان میں ہوا۔ وہاں ان کی ملاقات ایسے اشخاص سے ہوئی۔ جو سنہ ۱۷۸۹ء (سو برس پہلے) کی پوشاکوں میں ملبوس تھے ان لوگوں نے مس موبرلی اور مس جورڈین کو مخاطب بھی کیا۔

انھوں نے

کھلی آنکھوں وہاں ایسے جنگل دیکھے جو کبھی کے مٹ چکے تھے۔ نیز ان کا گذر کچے پرانی وضع کے پل پر ہوا۔ جو ایک گھاٹی پر بنا ہوا تھا۔ وہاں ایک آبشار گرتا تھا۔ مگر یہ سو برس پہلے کی بات ہے۔ مس موبرلی اور مس جورڈین نے ایک بارہ دری دیکھی (یہ انقلاب فرانس سے قبل وہاں موجود تھی) جس میں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ عجیب تر یہ کہ انھوں نے ایک وردی پوش سپاہی کو شاہی محل سے نکلتے دیکھا۔ اس سپاہی نے دونوں عورتوں کو ٹوکا بھی۔ حالانکہ یہ محل سو برس سے ویران پڑا تھا۔ اس کے زینے ٹوٹ گئے تھے۔ یہ مناظر دیکھتے ہوئے خواتین کو ان کی پراسرار نوعیت کا ذرہ برابر اندازہ نہیں ہوا۔ لیکن بعد کو انہیں محسوس ہوا کہ کوئی عجیب و غریب تجربہ پیش

آیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کئی بار دونوں عورتیں پورے معاملے کو از سرِ نو سمجھنے کے لئے ترییان (وارسائی) کے علاقے میں گئیں۔ یہ بات فوراً ہی معلوم ہوگئی کہ وہاں اس جنگل۔ اس پل۔ اس گھاٹی۔ اس آبشار اور اس بارہ دری کا کوئی نشان موجود نہیں۔ جہاں تک شاہی محل کا تعلق ہے تو وہ ایک صدی سے ویران پڑا تھا۔ انقلاب فرانس کی مقتولہ ملکہ ماری انٹونٹ اس شکل میں نظر آئیں کہ موسم گرما کی ہلکی پوشاک رومال کی طرح شانوں پر تھی اور اس پر سبز یا سنہرے رنگ کا گوٹا لگا ہوا تھا۔ ان خواتین کے بیانات کی باضابطہ چھان بین کی گئی اور ان کے بیان کئے ہوئے ایک ایک جزیئے اور واقعے کا مطالعہ تاریخ کی روشنی میں کیا گیا تو مس موبرلی اور مس جورڈین کے بیانات کی پوری پوری تصدیق ہوگئی۔ خواتین کا بیان ہے کہ انہوں نے ملکہ ماری انٹونٹ کو فلاں لباس میں دیکھا۔ شاہی درزن مادام الوفے کی پرانی ڈائری سے اس کی صداقت کا بھی ثبوت مل گیا۔ شاہی درزن نے لکھا ہے کہ میں نے ملکہ کے لئے چھوٹے چھوٹے کرتے تیار کر دیئے تھے۔ جو سبک ہونے کے ساتھ دھوئے جانے کے قابل بھی ہوتے تھے۔ نیز جولائی اور ستمبر میں سبز رنگ کی دو چولیاں تیار کرکے دی تھیں۔ مس جورڈین ان مشاہدات کی تصدیق کے لئے ایک مرتبہ پھر اس علاقے میں گئیں۔ تو وہی مناظر نظر آئے۔ پھر وہی اشخاص ملے۔ پھر وہی اٹھارویں صدی کی دنیا جیتی جاگتی دکھائی دی۔ آخری مرتبہ مس جورڈین نے دیکھا کہ اس پورے منظر۔ آسمان۔ درخت اور عمارات پر ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔ جیسے کسی فلمی پردے کی جنبش یا جھٹکا کوئی نظارہ!

یہ واقعات سخت حیران کن اور غیر معمولی تھے۔ لیکن صرف ان لوگوں کے لئے جنھوں نے بچشم خود ان واقعات کو دیکھا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں ایسے تین آدمی مس موبرلی اور مس جورڈین سے ملنے آئے۔ جو اس علاقے میں چھ سال گذار چکے تھے۔ انھوں نے خواتین کے بیان کی حرف بحرف تصدیق کی۔ اور کہا کہ وہ اٹھارویں صدی کے ان مناظر کے اتنے عادی ہو چکے ہیں گویا وہ بیسویں صدی کے ماحول کا ایک جزو ہیں۔ یہ نہ گمان کیا جائے کہ مس موبرلی اور مس جورڈین

ان پڑھ۔ وہم پرست اور گنوار عورتیں تھیں۔ دونوں کا تعلق سینٹ ہیوز کالج آکسفورڈ سے تھا۔ اور وہ یکے بعد دیگرے اس کی پرنسپل رہ چکی تھیں۔ یہ بیان پروفیسر جوڈ (مشہور فلسفی) کا ہے۔ اگر وہ اس واقعے کے راوی نہ ہوتے اور وہ ان کی تصدیق نہ کرچکے ہوتے تو میں ہرگز مس موبرلی اور مس جورڈین کے بیانات اور مشاہدات پر اعتبار نہ کرتا چاہے وہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی وائس چانسلر ہی کیوں نہ ہوتیں۔ لیکن پروفیسر جوڈ کے علمی مرتبے، فلسفیانہ بالغ نظری حکیمانہ سرشت اور ان کے معقولیت پسند کردار کے پیش نظر میں کس طرح ان کے بیانات کو ٹھکرا دوں۔ پروفیسر جوڈ نے مذکورہ واقعات پر بحث کرتے ہوئے آواگون (REINCARNATION) کے عقیدے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان واقعات سے تناسخ کے ارواح کے دعوے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ البتہ زمان (وقت) کی بوالعجبی اور نیرنگی پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حال کے اندر ماضی جوں کا توں موجود ہوتا ہے۔ اور یہ کہ بعض لوگوں میں یہ صلاحیت بھی پائی جاتی ہے کہ حال میں پوری طرح رہتے سہتے ہوئے ماضی کا بھرپور تجربہ کرسکیں پروفیسر جوڈ کا مطلب یہ ہے کہ آج جس وقت آپ یہ مضمون پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت فضا میں تمام گذری ہوئی صدیاں موجود ہیں۔ اور اگر آپ میں روحی صلاحیت واستعداد موجود ہے تو آپ ماضی کو اس کے زندہ، فعال اور سرگرم روپ میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں پروفیسر جوڈ نے جے ڈبلوڈن کی کتاب (AN EXPERMENT WITH IME) کا ذکر کیا ہے۔ جے ڈبلوڈن کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے ہر خواب کو قلم بند کرلیا کرتے تھے۔ مدت دراز تک وہ اپنے خوابوں کی روداد قلمبند کرتے رہے۔ آخر رفتہ رفتہ تشکیک واحتیاط کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے انہیں یقین ہوگیا کہ انسانی ذہن بحالت خواب نہ صرف ماضی میں ہزاروں میل کا سفر کرسکتا ہے۔ (یعنی انسان خواب میں ماضی قریب وبعید کے واقعات وحالات کا مشاہدہ کرسکتا ہے) بلکہ وہ زمانے میں آگے کی طرف جست لگاکر مستقبل میں بھی دور دور تک گھس سکتا ہے۔ جے ڈبلوڈن نے اس سلسلے میں ایک طریق کار بھی وضع کیا تھا جس پر عمل کرکے بہت سے لوگوں نے بحالت خواب ماضی ومستقبل کا

سفر کیا ہے۔ راقم الحروف نے ڈن کے طریق کار کا مطالعہ کیا ہے بے شک خواب کی حد تک ان کی تکنیک کامیاب ہے۔ بہت سے لوگوں کو بحالت بیداری بھی اس قسم کے تجربات ہوئے ہیں ص۔ ع قریشی (کراچی) لکھتے ہیں کہ

شفاف شیشے میں

آپ کو معلوم ہے کہ میں نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت۔

[illegible] (مخفف T.C.O.S) کا طالب علم ہوں اور برابر آپ کی خدمت میں اپنے مشاہدات و تجربات کی رپورٹ پہنچا رہا ہوں۔ میں نے یہ کورس جولائی ۱۹۶۸ء میں شروع کیا تھا۔ آپ نے میرے لئے دو مشقیں تجویز کی تھیں۔ (۱) تنفس نور اور (۲) بلور بینی۔ بلور کہیں دستیاب نہ ہوا تو میں نے آپ کی ہدایت پر بے داغ اور صاف و شفاف شیشے کے پیپر ویٹ کو نقطہ مشق بنایا۔ میں پہلے حسب ہدایت مشق تنفس نور کے پانچ چکر کرتا ہوں اور اس کے بعد صاف و شفاف شیشے کے گولے (پیپر ویٹ) کے ایک خاص نقطے پر پلکیں جھپکائے بغیر نظریں جما دیتا ہوں۔ میں نے یہ مشق ایک منٹ سے شروع کی تھی۔ اب مشق کی مدت تیس منٹ تک جا پہنچی ہے۔ میں نے رئیس صاحب! اس شفاف شیشے میں ایک نئی دنیا دیکھی ہے۔ ماضی کی بے شمار صدیوں کا نظارہ کیا ہے اور مستقبل کی جھلکیوں سے بھی لطف اندوز ہوا ہوں۔ اس تمہید کے بعد ص۔ ع۔ قریشی نے اپنے مشاہدات کی تفصیل بیان کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے شیشے میں ماضی بعید اور مستقبل قریب کی جھلکیاں دیکھی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب لوگ استغراق کے عالم میں ماضی کے مختلف ادوار کا مطالعہ کرتے ہیں۔ انھیں اس عالم میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ واقعات پچھلے جنموں میں پیش آئے تھے۔ زاہد علی (ٹیونیشیا لائن کراچی نمبر ۳) لکھتے ہیں۔

رئیس صاحب! سب سے پہلے یہ بات عرض کر دوں کہ میں خدا۔ اور رسولؐ پر اسی طرح ایمان رکھتا ہوں۔ جس طرح کوئی دوسرا مسلمان! یقیناً "آواگون" یا تناسخ کا عقیدہ غیر اسلامی ہے میں اس عقیدے سے ہزار بار پناہ مانگتا ہوں۔ تاہم بعض اوقات میرا ایمان ڈگمگا جاتا ہے۔ کبھی کبھی محسوس کرتا ہوں کہ میں ہزار سال پہلے بھی اس دنیا میں موجود تھا۔ اور میں نے موہن جی ڈارو اور ہڑپا جیسی پرانی تہذیبوں کو بچشم خود دیکھا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ میں ان شہروں اور بستیوں میں رہ چکا ہوں۔ میں نے سندھ کی ہزار سال پرانی زندگی کو کسی دوسرے جنم میں دیکھا ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ کبھی کبھی تو یہ احساس ہوتا ہے کہ میں اس وقت بھی اس سرزمین پر موجود تھا۔ جب یہ دنیا انسانوں سے خالی تھی۔ میں نے خلاؤں کی بلندی سے قبل از تاریخ کی دنیا کا مشاہدہ کیا ہے۔

میں قبل وجود البشر بھی،
سرتا بہ پا زندگی رہا ہوں
ہر عہد میں آدمی رہوں گا
ہر عہد میں آدمی رہا ہوں

مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری روح لامحدود ابدی فضاؤں میں جذب تھی اور میں بے شمار مرحلوں سے گذرا ہوں

ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام
ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام

جی ہاں! میں زمانۂ قبل از تاریخ کے بنے ہوئے تاریک غاروں میں گھوما ہوں سمندر کی اونچی اونچی لہروں کو اپنے سر سے گذرتے دیکھا ہے یقین کیجئے۔ ایسا لگتا ہے

کہ میں موت کی وادی سے گذر کر نہ جانے کتنی بار فضاؤں میں تحلیل ہو چکا ہوں اور پھر یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر اس زندگی کے قفس سے رہا ہو کر انہی فضاؤں میں جذب ہو جاؤں گا ایک لطف سیال شے کی طرح زاہد علی در حقیقت "آواگون" کے چکر سے سہمے ہوئے ہیں۔ آواگون کا فلسفہ یہ ہے کہ انسانی روح بار بار مختلف جنم لے کر اس دنیا میں آتی رہتی ہے۔ اور انجام کار بے شمار جنموں سے گذرنے کے بعد نروان حاصل کر کے روح مطلق میں جذب ہو جاتی ہے۔ زاہد علی نے اپنی جو کیفیت بیان کی ہے۔ اس سے آواگون کا ثبوت نہیں ملتا۔ صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ روحیت پسند واقع ہوئے ہیں۔ روحیت پسند لوگوں کا جسم مثالی بیحد چست اور مستعد ہوتا ہے۔

لطیف ترین پرواز

جمال صاحب (رحیم یار خان) رقم طراز ہیں کہ

رات میں اپنی مشقوں سے فارغ ہو کر لیٹا ہی تھا کہ آنکھیں بند ہو جانے کے بعد محسوس ہوا کہ میں اپنے کمرے اور اس کے اندر رکھی ہوئی تمام چیزوں کو صاف صاف دیکھ رہا ہوں۔ چند لمحے بعد آنکھوں کے سامنے مکان کا صحن گھومنے لگا۔ اور عجیب بات یہ کہ میں اپنے جسم کے ساتھ صحن میں حاضر اور زمین سے ایک ڈیڑھ گز کی بلندی پر اڑ رہا تھا۔ اب مجھے خیال آیا کہ میں پرواز کر سکتا ہوں تو پھر کیوں نہ پرواز کروں۔ اور اپنی سسرال قصبہ منڈی عبدالحکیم کیوں نہ ہو آؤں؟ اس خیال کے آتے ہی میں ہوا میں بلند ہوا۔ اور چشم زدن میں منڈی عبدالحکیم (ملتان) جا پہنچا۔ گھر میں تمام لوگ سوئے تھے پہلے میری خالہ (ساس) اٹھیں اور بعد ازاں یکے بعد دیگرے گھر کے دوسرے افراد جاگ گئے اور مجھ سے ملے۔ مگر حیران کہ جب وہ گلے لگاتے تو مجھے محسوس نہیں کرتے۔ جمال صاحب T.T.C کے طالب علم اور میری

تجویز کردہ سانس کی مشقیں کرتے ہیں۔ جسم سے نکل کر پرواز کا تجربہ جمال صاحب ہی کو نہیں ہوا۔ اس لطیف ترین پرواز کے تجربے میں صدہا افراد شریک ہیں۔ عام لوگوں کا جسم مثالی ان کے جسمانی وجود کے ساتھ پابہ زنجیر ہوتا ہے۔ اور صرف موت ہی کے بعد جسم مثالی کو قید آب و گل سے آزادی نصیب ہوتی ہے۔ البتہ روحیت پسندوں پر جب خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ تو اس قدر شدید الاحساس۔ اثر انداز اور تاثر پذیر ہو جاتے ہیں کہ اپنے کو زمان و مکان پر حاوی پاتے ہیں۔ اور ان کی روح زمین و آسمان کی زنجیروں کو توڑ کر۔ ماضی۔ حال اور مستقبل تینوں پر غالب آجاتی ہے۔ اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ میں ہر ماحول اور ہر عہد میں رہا ہوں۔ اس عہد میں بھی۔ جب کرۂ ارض پر انسانی زندگی کی نمود نہ ہوئی تھی۔ یہ کیفیت مصنوعی اور بناوٹی نہیں۔ اس قدر سچی۔ یقینی اور قطعی ہوتی ہے کہ وہ ۱۹۷۴ء میں سانس لیتے ہوئے اپنے کو ہڑپا موہن جی ڈارو اور ٹیکسلا کے عہد میں پاتے اور سندھ کی قدیم تہذیبوں سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں۔ پھر ان کا ذہن اور بلند ہوتا ہے اور وہ قدیم ترین اور بعید ترین زمانوں میں پہنچ کر تخلیق کائنات کا براہ راست مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کیفیت اور تجربے کا کوئی تعلق آواگون سے نہیں ہے۔ جسم مثالی کی حساسیت سے ہے۔

شفا بخشی

استغراق (یعنی ڈوب جانے) کی حالت میں جسم مثالی کن تجربات سے دوچار ہوتا ہے اس کا اندازہ شمس اقبال کوٹری (سندھ) کے خط مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۷۳ء سے ہوگا۔ لکھتی ہیں کہ

گذشتہ روز مراقبہ کر رہی تھی۔ یکایک ایسا محسوس ہوا کہ میں کسی تاریک گڑھے میں گر رہی ہوں۔ اس کے ساتھ میرے ہوش گم ہوگئے جب ہوش آیا تو میرا جسم لکڑی کی طرح اکڑا ہوا تھا۔ میں اس تجربے سے سہم سہم خوف زدہ ہوں۔ آپ از راہِ کرم تحریر فرمائیں کہ مجھے

صبح شام سانس (متنفس نور) کی مشق میں فرحت کیوں محسوس ہوتی ہے؟ پہلے جب غروب آفتاب کے وقت مشق کرتی تھی تو گرمی کا احساس ہوتا تھا۔ اب صبح کے وقت فرحت کا احساس ہوتا ہے یہ کیا معاملہ ہے؟ گوشت ترک کئے ہوئے ۹، نومبر کو نو مہینے ہو گئے (اثر ترک گوشت سے شش اقبال میں شفا بخشی کی صلاحیت بیدار ہو گئی) اسی خط میں لکھتی ہیں کہ آپ کی ہدایت پر میں نے ابّو پر توجہ دینی شروع کی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ صحت یاب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ پہلے تو ان کی زندگی کی امید تک باقی نہ تھی۔ تاہم ابّو بہت کمزور ہیں۔ جب بھی ضعف قلب کے سبب اختلاج قلب کا دورہ پڑتا ہے تو میں ان کے سینے پر ہاتھ رکھ دیتی ہوں اور گھبراہٹ ختم ہو جاتی ہے۔ جب میں سینے پر سے ہاتھ اٹھاتی ہوں تو اس مقام پر (جہاں ہاتھ رکھا تھا) چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ یہ چمک صرف مجھے دکھائی دیتی ہے۔ جی ہاں (شفا بخشی کی صلاحیت ترقی پذیر ہے۔ اب تو یہ عالم ہے کہ کوئی درد میں مبتلا ہو اور میں دور سے ہی اس پر توجہ کروں (یہ توجہ کہ فلاں شخص کا درد دور ہو رہا ہے) تو واقعی درد دور ہو جاتا ہے۔ البتہ برادرم ایم حسن خٹک کی بچی نازنین کو (جس پر میں دسمبر سے توجہ مرکوز کر رہی ہوں) فائدہ محسوس نہیں ہوا۔ یہ کیا بات ہے؟ ابھی چند روز قبل رات کو مجھے بہت تیز بخار آیا۔ اس قدر سردی لگ رہی تھی کہ بیان نہیں کر سکتی۔ میں نے ہمت کر کے مراقبہ شروع کر دیا۔ یقین کیجئے کہ مراقبہ شروع کرتے ہی سردی غائب ہو گئی البتہ بخار ذرا تیز ہو گیا۔

یہی خاتون (شش اقبال) اپنے خط مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۶۷ء میں رقم طراز ہیں کہ

جب آپ کے گرامی نامے کا جواب لکھنے بیٹھی۔ آپ کے یہ الفاظ نظر کے سامنے گھومنے لگے کہ "ہر شخص اپنی مزاجی کیفیات اور روحانی ساخت کے مطابق مشاہدات کی منزل سے گزرتا ہے"۔ یقین کیجئے استاد محترم! کہ آپ کے اس جملے کا مجھ پر گہرا اثر پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اس جملے نے میرے اندازِ فکر ہی کو بدل دیا۔ واقعی جیسی روح ویسے فرشتے! ۔ از خود نویسی (یعنی فری رائٹنگ) پندرہ روز سے جاری ہے۔ تصور کافی پختہ ہو گیا ہے۔ جب

میں داہنے ہاتھ میں پنسل پکڑتی ہوں تو چند منٹ کے بعد میرا ہاتھ خود بخود سرد ہونے لگتا ہے جیسے کوئی سرد لہر میرے داہنے ہاتھ میں دوڑ رہی ہے۔ پنسل ارادے کے بغیر خود بخود کاغذ پر چلنے لگتی ہے۔ لیکن سوائے آڑھی ترچھی لکیروں کے کچھ نہیں بنتا۔ ویسے سب لوگ یہ کہہ کر مجھے ڈرا رہے ہیں کہ اگر کوئی بد روح پیچھے پڑ گئی تو کیا کرو گی؟ کیونکہ مثالی جسم سے تمہاری دوستی نہیں ہے اور یہ سچ بھی ہے۔ کیونکہ میں نے خود مثالی جسم کو اپنے ہاتھ سے کھویا ہے۔ جسم مثالی پر پہلے تو نگاہ نہ جمتی تھی۔ بس نظر آیا۔ اور غائب ہوا۔ لیکن چند روز کے بعد اس پر نگاہ جمنے لگی۔ پھر ایک روز جب مشق کرنے بیٹھی تو جسم مثالی صاف نظر آیا۔ صبح صادق کا وقت تھا۔ جب تک میں مشق کرتی رہی۔ وہ بالکل میرے قریب میری طرح بیٹھا رہا۔ جب میں اسے غور سے دیکھتی تو وہ بھی میری جانب بغور دیکھتا۔ یہ مشاہدہ چند منٹ جاری رہا۔ یہ میری نادانی تھی کہ میں اس مشاہدے سے ڈر گئی اور مشقوں کا وقت بدل دیا۔ پہلے صبح صادق کے وقت مشق متنفس نور کرتی تھی۔ بعد کو طلوع آفتاب کے چند منٹ بعد کرنے لگی۔ ویسے مجھے اس سے گفتگو کرنے کا بہت شوق ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ گفتگو کی ابتدا کس طرح کی جائے؟ ویسے بھی اب مثالی جسم سے دوستی بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ کل جب میں نو بجے شب۔ آپ کو خط لکھنے لگی تو داہنا ہاتھ خود بخود سرد ہونے لگا۔ میں نے خوف زدہ ہو کر تحریر کا سلسلہ ختم کر دیا۔ کچھ دیر بعد ہاتھ معمول ہاتھ پر آ گیا۔ میں نے اپنے کسی خط میں عرض کیا تھا کہ بعض اوقات بحالت مراقبہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں کسی دوسری دنیا میں ہوں۔ وہاں مجھے ہر طرف سفید لباس میں ملبوس ایک مخلوق نظر آتی ہے۔ مگر جب میں ان سے مخاطب ہوتی ہوں تو قوت گویائی سلب ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرا یہ مشاہدہ محض فریب نظر پر مبنی ہو۔ البتہ جب تاب گفتار باقی نہیں رہتی تو ہوش گم ہو جاتا ہے۔ ہوش آتا ہے تو اپنے جسم کو لکڑی کی طرح سخت اور پسینے میں شرابور پاتی ہوں۔ لگتا ہے کہ ہر عضو قالب نور میں ڈھل گیا ہے۔ چھ سات روز قبل عجب واقعہ پیش آیا۔ مراقبہ کرتے ہوئے چند ہی منٹ گذرے تھے کہ مجھ پر بے خودی طاری ہو گئی۔ اس خود فراموشی

میں ایسا لگا کہ میں خود ہی "شعلۂ نور" بن کر اپنے خاکی جسم میں چکرا رہی ہوں۔

ہوا یہ بے خودی میں مجھ کو محسوس

خود اپنے شعلۂ جاں سے ہوں ملبوس

یہ کیفیت چند منٹ طاری رہی۔ ایک روز ایسا ہوا کہ دوپہر کے کاموں سے نمٹ کر سوچا کہ کیوں نہ اس وقت فرصت میں مراقبہ کر لیا جائے۔ مراقبہ شروع کرتے ہی غنودگی سی طاری ہونے لگی اور محسوس ہوا کہ میں بستر پر تیر رہی ہوں۔ اس وقت مجھے اپنا جسم بہت ہی ہلکا لگ رہا تھا۔ پھر نجانے کیا ہوا کہ میں نے دیکھا کہ میں چھت سے چپکی ہوئی ہوں۔ اور خاکی جسم بحالت مراقبہ زمین پر پڑا ہے۔ اس وقت مجھے اپنا خاکی جسم عجیب و غریب لگ رہا تھا۔ جسم خاکی کا یہ حال دیکھ کر مجھے کچھ ہنسی سی آئی تو زبردست جھٹکا لگا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں چارپائی پر نہیں ہوں دو تین روز قبل میں نے مراقبے کی حالت میں اپنے کو قریب کے قبرستان میں پایا۔ وہاں میں نے مائی جگی کی جھونپڑی بھی صاف صاف دیکھی۔ پھر قبرستان سے جسم مثالی گھر واپس آگیا۔ لیکن اس مشاہدے سے سخت گھبراہٹ سی ہوئی۔ اب ریڑھ کی ہڈی میں درد ہوتا ہے تو درد کے ساتھ ایسا لگتا ہے کہ کوئی چیز استخوان کمر کے نچلے حصے میں سرسرا رہی ہے۔ اور کبھی کبھی تو ریڑھ کی ہڈی سے ایسی موج کیف و سرور اٹھتی ہے کہ اس کیفیت کو لفظوں کے ذریعہ بیان کرنا ممکن نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کیفیت کی تشریح کن لفظوں میں کروں؟۔ اب میں آپ کا تصور کرتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ آپ خود میرے سامنے تشریف فرما ہیں اور آپ کے قلب مبارک سے انوار کا دھارا ابل کر میرے سینے میں داخل ہو رہا ہے۔ اس وقت قلب ایک روشن ستارے کی طرح نظر آتا ہے۔ کچھ دن ہوئے کہ میں نماز پڑھ کر کچھ پڑھنے لگی اچانک چاروں طرف سے مجھ پر روشنیاں برسنے لگیں۔ یہ روشنی اتنی بڑھی کہ ایک لمحے کے لئے میں خود بھی اس روشنی کا ایک جزو بن گئی۔ چند سیکنڈ کے بعد یہ کیفیت جاتی رہی اور مجھ پر برسنے والی روشنی بھی ہلکی ہو گئی۔ اسی رات جب میں نماز عشاء سے فارغ ہو کر درود خوانی میں مصروف ہوئی تو قلب سے روشن شعاعیں نکلنے لگیں۔ اس

وقت قلب پر تپش بھی محسوس کر رہی تھی۔

قلب چمک رہا ہے

میں نے تصدیق کے لئے دیکھا کیا واقعی قلب چمک رہا ہے؟ اپنا ہاتھ سینے کے قریب کیا تو ہاتھ چمکنے لگا۔ جس طرح سچ مچ ہاتھ پر روشنی کی چھوٹ پڑ رہی ہے۔ جب میں نے قلب سے ہاتھ ہٹایا تو روشنی غائب ہوگئی۔ دوبارہ ہاتھ سینے کی طرف لائی تو وہ پھر چمکنے لگا۔ ویسے مجھے اعتراف ہے کہ کثرت سے عبادت کی جائے اور اسی کے ساتھ مراقبہ اور سانس کی مشقیں کی جائیں تو سونے پر سہاگے کا کام دیتی ہیں۔ مجھے انسانوں کے علاوہ جاندار بلکہ بے جان چیزوں کی گرد بھی ہالہ نظر آتا ہے۔ شفا بخشی کی قوت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ میں نے جس شخص پر توجہ کی۔ اسے فائدہ ضرور ہوا۔ (سوائے حسن کی بچی نازنین کے) ابھی کچھ دن ہوئے کہ ایک صاحبہ کے سر میں عجیب قسم کا درد ہو رہا تھا۔ صبح سے درد شروع ہوتا اور جوں جوں سورج چڑھتا چلا جاتا۔ درد میں کمی ہونے لگتی۔ بارہ بجے درد بالکل ہلکا ہو جاتا۔ اور دوسرے روز پھر علی الصبح درد شروع ہو جاتا انھوں نے درد شکن گولیاں بھی کھائیں۔ تعویذ بھی باندھے۔ رخاک فائدہ نہ ہوا۔ میں نے خدمت خلق کی غرض سے ان کے گھر جا کر توجہ کی۔ یعنی ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان پر پوری توجہ مرکوز کر دی۔ تقریباً پندرہ منٹ تک توجہ دیتی رہی۔ ان کا درد خفیف ہوگیا۔ دوسری صبح کو درد کافور ہوگیا

ش اقبال دوسرے خط مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۶۴ء میں لکھتی ہیں کہ

مراقبے کی گرمی میں پھر اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ تم عالم مثال کی سیر کر رہی ہوں۔ لیکن اگر حضرت! وہ عالم مثال ہے (برزخ) تو مجھے اپنے مرحوم عزیز نظر کیوں نہیں آتے۔ مثلاً میری مرحوم بہنیں اور بھائی۔ ویسے میں جب اپنے کو اس اجنبی دنیا میں پاتی ہوں تو اجنبی چہروں کے علاوہ کوئی شناسا چہرہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے ممکن ہے کہ میرے تمام مشاہدات

نظر کے دھوکے ہوں۔ ویسے کچھ روز قبل عجیب تجربہ پیش آیا۔ شب کو حسب معمول مصروف مراقبہ تھی کہ استغراقی حالت طاری ہوگئی۔ دیکھا کہ خلاء میں پرواز کر رہی ہوں۔ شاید آپ یقین نہ کریں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ آپ بھی میرے ساتھ پرواز کر رہے ہیں۔ پھر نجانے آپ کہاں غائب ہو گئے؟۔ اب اس تجربے کو کیا کہوں؟ حقیقت یا فریب نگاہ؟ مراقبے میں بارہا یہ تجربہ پیش آچکا ہے کہ بے خودی کی حالت میں جسم خاکی سے باہر نکل آئی ہوں۔ اس حالت میں جسم خاکی پر نظر ڈالتی ہوں تو عجیب سا نظر آتا ہے۔ عالم استغراق میں سانس بھی رک جاتی ہے۔ بعض اوقات مراقبے میں دور کی آواز بھی نزدیک سنائی دیتی ہے۔ مشق متنفس نور میں گاہے گاہے گنبد خضرا کی بھی زیارت کر لیتی ہوں۔ تصور یہ ہوتا ہے گویا گنبد خضرا نظر کے سامنے ہے۔ اور گنبد اقدس سے نور کی شعاعیں نکل نکل کر روح کو تابناک کر رہی ہیں۔ ایک مرتبہ اس کیفیت میں خانہ کعبہ کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ ابھی دو تین روز ہوئے کہ گنبد خضرا کی پھر زیارت نصیب ہوئی۔ آپ دعا کریں کہ پھر یہ سعادت حاصل ہو۔ اب تو مثالی جسم پر نظریں جمنے لگی ہیں۔

امواجِ شفا

انہی خاتون (رش۔ اقبال) کا تازہ ترین "مشاہدہ نامہ" ملاحظہ ہو۔ اپنے مشاہدات کے بارے میں ۱۰ مئی ۱۹۷۴ء کو تحریر کرتی ہیں کہ

شفا بخشی کی قوت میں برابر ترقی ہو رہی ہے۔ ہمارے ابو کی آنکھوں میں پانی (موتیا) اتر آیا ہے۔ آنکھیں آپریشن کے لائق ہیں۔ سات آٹھ سال سے پیشاب کا مرض ہے۔ اس بناء پر آپریشن نہیں ہو سکتا۔ میں نے تجربے کی خاطر ان کی آنکھوں پر توجہ مرکوز کر دی۔ توجہ دینے کے روز بعد ابو نے کہا کہ افاقہ محسوس کرتا ہوں۔ اور اب آنکھوں سے کچھ صاف نظر آ رہا ہے۔ میں نے مزید توجہ کی اور بینائی میں اور صفائی پیدا ہو گئی۔ پھر میری طبیعت خراب ہو گئی اور یہ سلسلہ

رک گیا۔ حال ہی میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک صاحب کراچی میں رہتے ہیں۔ ان کے بائیں شانے میں شدید درد ہوا کرتا تھا۔ کافی علاج کرائے، کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر یہ لاعلاج کیس میرے پاس آیا۔ میں نے ان صاحب کو ہدایت کی کہ وہ میرے بتلائے ہوئے وقت پر سکون کے ساتھ بیٹھ جائیں یا لیٹ جائیں۔ وقت مقررہ پر میں نے ان کی طرف توجہ مبذول کی (یعنی امواج شفا ان کی طرف بھیجنی شروع کیں) توجہ کا طریقہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ یعنی میں توجہ کے وقت یہ تصور کرتی ہوں کہ میں روحانی طور پر مریض کے قریب ہوں اور میری قوت روحانی کی شفا بخش شعاعیں مریض پہ اثر انداز ہو رہی ہیں۔ اور مریض صحت یاب ہو رہا ہے۔ خیر میں نے ان صاحب پر توجہ مبذول کی توجہ مبذول کرنے کے بعد مجھے اپنے بائیں شانے میں ہلکا سا درد محسوس ہوا (یعنی مریض کے شانے کا درد معالج کے شانے میں منتقل ہو گیا) دو تین روز بعد ان صاحب کا خط آیا کہ مجھے بہت فائدہ محسوس ہوا۔ مگر میں پندرہ منٹ تک پر سکون نہیں بیٹھ سکتا۔ میں نے جواب دیا کہ جب آپ میری ہدایات پر عمل نہیں کر سکتے تو پھر توجہ کرنی فضول ہے۔ مراقبے کی گرمی بہت پریشان کئے ہوئے ہے۔ حضرت! اب تو مراقبے میں شدید جھٹکے لگتے ہیں۔ تا ایں کہ جسم کے ساتھ چارپائی بھی ہل جاتی ہے۔ ابھی چند روز قبل کا واقعہ ہے کہ

تنفّسِ نور

بحالت مراقبہ دیکھا کہ کسی پہاڑی پر موجود ہوں۔ یہ پہاڑی بڑی ویران نظر آ رہی ہے اسی جگہ ایک شکستہ مکان دکھائی دیا۔ جب میں اس ویران مکان میں داخل ہوئی تو خیال آیا کہ میں کہاں ہوں؟ "کہاں ہوں" کا خیال آتے ہی شدید جھٹکا لگا۔ دیکھا کہ بستر پر پڑی ہوں اور سارا جسم کانپ رہا ہے۔ دو تین مرتبہ مراقبے میں یہ دیکھا کہ ایک دلفریب اور پر فضا مقام کی سیر کر رہی ہوں۔ سیر کرتے کرتے اچانک جھٹکا لگتا ہے اور ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں۔ جب ہوش آتا

ہے تو اپنے کو مراقبے کی حالت میں پاتی ہوں۔ سوال یہ ہے کہ یہ جھٹکے کیوں لگتے ہیں مجھے مشقیں کرتے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں۔ مگر کبھی اپنے جسم مثالی کو پرواز کناں نہیں پایا تھا۔ البتہ چند روز سے غنودگی میں دیکھتی ہوں کہ میرا جسم مثالی پرواز کر رہا ہے اور میں بھی اپنے جسم مثالی کے ساتھ اڑی چلی جا رہی ہوں۔ جسم مثالی پرواز کناں نظر آتا ہے تو اس کے گرد ایک درخشاں ہالہ دیکھتی ہوں۔ ایک روز دوپہر کا وقت تھا۔ مراقبے کا مقصد کیا تو غنودگی طاری ہو گئی۔ دیکھا کہ میں کسی شاہراہ پہ چل رہی ہوں۔ ہر طرف گہما گہمی ہے۔ سڑک پر موٹر گاڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ اچانک ایک کار میری طرف آتی نظر آئی۔ ڈری کہ اب یہ میرے اوپر چڑھ جائے گی۔ آنکھ کھل گئی دیکھا گھر پر ہوں۔ پتہ نہیں۔ یہ حقیقت ہے یا خواب۔

ایں کہ من بینم بہ بیدار یست یارب یا بخواب

مشق تنفس نور میں بھی مراقبے کی طرح کبھی کبھی ڈوب جانے کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ایک روز یہی حالت تھی کہ ایک بہت خوبصورت عمارت نظر آگئی۔

میرے شفیق استاد! مجھے راہ چلتے کا استغراق پسند نہیں۔ ابھی کچھ دن پہلے وہی تجربہ پیش آیا یعنی راستہ طے کرتے کرتے اچانک میرے ہوش و حواس گم ہو گئے، خدا معلوم وہ کون سی دنیا ہے جس دنیا میں اپنے آپ کو اس وقت پاتی ہوں۔ جب کھو جاتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ عالم مثال نہیں، طلسم خیال ہے۔ ہاں۔ اب استغراق میں آپ کو بہت قریب پاتی ہوں۔ بس آپ زیادہ سے زیادہ دو تین منٹ نظر آتے ہیں اور پھر اچانک نجانے کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ ابھی تین مہینے پہلے کا واقعہ ہے کہ میں مراقبہ کر رہی تھی۔ گھر والوں نے مداخلت کی اور مجھے مراقبے سے اٹھا دیا۔ غصہ تو بہت آیا۔ مگر خاموش رہی۔ دل ہی دل میں سوچتی رہی کہ اب استاد معظم کو لکھ دیں گے کہ حضرت! اب میں مشقیں نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مجھے مشق نہیں کرنے دی جاتی۔ یہ سوچتے سوچتے کوئی دس منٹ گذرے ہوں گے کہ آپ کی آواز آئی۔ آپ نے کچھ کہا۔ مگر کیا کہا۔ یہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔ تاہم آپ کی آواز صاف طور پر سنائی نہیں دی۔ ویسے مجھے حیرت اس بنا پر ہوئی کہ آپ کی آواز کانوں سے

نہیں دماغ سے ٹکرائی۔ کئی بار سوچا کہ آپ کو اس تجربے سے باخبر کر دوں۔ لیکن اس ڈر سے رک گئی کہ شاید آپ کو یقین نہ آئے۔ میں نے کسی شغل میں عرض کیا تھا کہ استغراق کی حالت میں مجھے لوگوں کے گرد روشنی کے ہالے نظر آنے لگے ہیں۔ یہ روشنی کسی کے گرد تیز ہوتی ہے کسی کے گرد مدھم مراقبے میں تو شعلۂ نور کا تصور کرتی ہی ہوں۔ لیکن بعض اوقات مراقبے کے بغیر بھی عام حالت میں محسوس ہوتا ہے کہ شانوں پر سر کے بجائے روشنی کا گولہ رکھا ہے۔ میں نے آپ کو اس سے قبل بتایا تھا کہ کسی تاریک جگہ جاتی ہوں تو خود بخود چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی پھیل جاتی ہے۔ اب تو اس روشنی میں اور چمک دمک پیدا ہو گئی ہے۔ یعنی اب کسی اندھیری جگہ جاتی ہوں تو وہ ماحول جگمگانے لگتا ہے آپ کو تو علم ہی ہے کہ میرے قلب سے روشنی نکلتی رہتی ہے۔ تاریکی میں تمام جسم چمکتا نظر آتا ہے جیسے رگ رگ اور نس نس سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔ اس وقت مجھے تن بدن میں تپش محسوس ہوتی ہے۔ مراقبے میں اکثر اپنے آپ کو قبرستان میں دیکھتی ہوں۔ حضرت! کچھ دن ہوئے کہ دوران مراقبہ بڑا دہشت ناک تجربہ پیش آیا۔ میں حسب معمول مراقبہ کر رہی تھی یعنی ڈوبی ہوئی تھی۔ دیکھا کہ

خوفناک حملہ آور

ایک خوف ناک شکل و صورت کا آدمی اڑتا ہوا نظر آیا۔ اس کے تیور بھی اچھے نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھ پر وحشیانہ حملہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کوئی نادیدہ قوت اسے ایسا کرنے سے روک رہی ہے۔ اچانک وہ شخص میری نظر سے روپوش ہو گیا۔ اور میں ہوش میں آگئی۔ تاہم کافی دیر تک حالت خراب رہی۔ اب جب میں تصور کرتی ہوں کہ آپ میرے سامنے تشریف فرما ہیں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے قلب مبارک سے سیلاب نور ابل ابل کر میرے اندر قلب کے اندر داخل ہو رہا ہے۔ اس وقت مجھے روشنی کے ساتھ گرمی بھی محسوس ہوتی

ہے۔ از خود نویسی کے تجربات قابل ذکر نہیں۔ مغرب کے بعد تو یہ مشق بخوبی نہیں ہوتی۔ میں تین بجے جاگ جاتی ہوں۔ سوچا ہے کہ اس وقت یہ مشق کریں گے۔ تاکہ سکون کے ساتھ کرسکیں۔ آپ کا ایک مضمون نظر سے گذرا تھا۔ عنوان تھا "اثیری وجود یا جسم لطیف"۔ آپ نے اس مضمون میں تحریر کیا تھا کہ۔ اپنے اندر کی قوت شفا بخشی پر کنٹرول سالہا سال میں حاصل ہوتا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ طبیب روحانی کو یہ مشق خاموشی اور مراقبے کے عالم میں شروع کرنی چاہئے۔ اس صلاحیت کو بیدار کرنے کے لئے مراقبہ اور مشق تنفس ضروری ہے!

خاص خاص نکتے

ش۔ اقبال کے تجربات آپ نے پڑھے۔ مشاہدات آپ نے سنے۔ آئیے ان تجربات و مشاہدات کو یکجا کر کے ان کے خاص خاص نکتوں پر بحث کریں۔

ش۔ اقبال (کوٹڑی) دو سال سے میری نگرانی میں تنفس نور کی مشقیں اور مراقبہ کر رہی ہیں ابتدا میں زیادہ فائدے محسوس نہ ہوئے۔ لیکن جب انھوں نے میرے مشورے پر عمل کر کے گوشت ترک کر دیا۔ تو ان کی مخفی قوتیں رفتہ رفتہ بروئے کار آنے لگیں۔ مثلاً شفا بخشی کی صلاحیت کراچی کے ایک صاحب کے شانے میں درد رہتا تھا۔ ش۔ اقبال نے انہیں ہدایت کی کہ آپ ہر روز مقررہ وقت پر۔ پرسکون بیٹھ یا لیٹ جایا کریں۔ میں آپ پر توجہ کیا کروں گی۔ ٹھہرائے ہوئے وقت پر ش۔ اقبال نے توجہ دینی شروع کی۔ مریض (کراچی) میں تھا۔ معالج کوٹڑی (سندھ) میں! چند منٹ بعد ش اقبال نے اپنے شانے میں درد کی لہریں محسوس کیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ مریض کا درد توجہ کی قوت سے معالج کے شانے میں منتقل ہو گیا۔ (اسے سلب امراض کا عمل کہتے ہیں) ش۔ اقبال نے سلب امراض کی چند اور مثالیں بھی درج کی ہیں۔ (۲) ش اقبال کہتی ہیں کہ استغراق کی حالت میں ان کا جسم اکڑ جاتا ہے۔ یہ ایک تنویمی کیفیت ہے۔ تنویم کار جب معمول

پر تنویمی نیند طاری کرتا ہے تو اس کا جسم نہ صرف اکڑ جاتا ہے بلکہ اس قدر بے حس ہو جاتا (یا زیر ترغیب کے زیر اثر ہو سکتا) ہے کہ کسی عضو کو قطع کر دو۔ جب بھی پتہ نہ چلے۔ (۳) مراقبہ اور مشق تنفس نور کے سبب ش اقبال کے خاکی جسم سے روشنیاں برستی رہتی ہیں۔ جب وہ اختلاج قلب کو کم کرنے کے لئے اپنے والد کے سینے پر ہاتھ رکھتی ہیں۔ تو اس مقام پر چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ش اقبال کا ہاتھ تابکار اور شعاع ریز ہو گیا ہے۔ (۴) ایک روز صبح صادق کے وقت جب وہ مشق کرنے بیٹھیں تو جسم مثالی (ہمزاد بھی کہہ سکتے ہیں) سامنے بیٹھا نظر آیا۔ جب وہ اسے غور سے دیکھتیں تو وہ بھی غور سے دیکھنے لگتا (۵) بحالت مراقبہ محسوس ہوتا ہے کہ میں کسی اور دنیا میں ہوں۔ وہاں مجھے سفید لباس پہنے ہوئے لوگ نظر آتے ہیں۔ ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ تو زبان ساتھ نہیں دیتی۔ (۶) مراقبے میں بعض اوقات اپنے کو سراپا نور محسوس کرتی ہیں یعنی روشنی ہی روشنی ہوں۔ (۷) محسوس کرتی ہیں کہ شعلۂ نور بن کر اپنے جسم میں چکر لگا رہی ہوں (۸) غنودگی میں ش اقبال کو احساس ہوا کہ بستر پر تیر رہی ہیں۔ پھر دیکھا دیکھتی ہیں کہ چھت سے چپکی ہوئی ہوں۔ اور خاکی جسم بحالت مراقبہ بستر پر پڑا ہے۔ (۹) اپنے کو قبرستان میں پایا اور رمائی جگی کی جھونپڑی بھی دیکھی (۱۰) ریڑھ کی ہڈی میں درد ہوتا ہے۔ اس درد کی عجیب سی لہر دماغ کی طرف چڑھتی ہے۔ تو کیف و سرور کی ناقابل بیان کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ش۔ اقبال رقم طراز ہیں کہ لفظوں کے ذریعے اس کیفیت لطف و سرور کی ترجمانی ممکن نہیں (۱۱) ش۔ اقبال میرا تصور کرتی ہیں تو دیکھتی ہیں کہ میں ان کے سامنے بیٹھا ہوں۔ اور میرے قلب سے نور کا دھارا ابل کر ان کے قلب میں داخل ہو رہا ہے۔ اس وقت قلب ایک روشن ستارے کی طرح نظر آتا ہے۔ (۱۲) نماز کے بعد کچھ پڑھنے لگیں تو ان پر چاروں طرف سے روشنیاں برسنے لگیں (۱۳) درود شریف پڑھتے وقت قلب سے چمکدار شعاعیں نکلنے لگیں اور تپش کا بھی احساس ہوا۔ (۱۴) ش۔ اقبال نے قلب پر ہاتھ رکھا تو ہاتھ چمکنے لگا۔ (۱۵) انسانوں کے علاوہ جانداروں اور بے جان اشیاء (اینٹ پتھر) کے گرد بھی ہالۂ نور نظر آتا ہے۔ (۱۶) اجنبی دنیا، عالم

مثال، میں پہنچتی ہیں تو نامانوس چہرے نظر آتے ہیں کوئی مرحوم عزیز دکھائی نہیں دیتا۔ (۱۷) مراقبے میں دیکھا کہ خلاء میں پرواز کر رہی ہوں۔ اور آپ بھی میرے ساتھ عالم پرواز میں ہیں (۱۸) بار ہا ایسا لگا کہ جسم خاکی سے باہر نکل آئی ہوں۔ (۱۹) مراقبے میں دور کی آواز بھی خود بخود سنائی دیتی ہے (۲۰) مشقِ تنفس نور میں گاہے گاہے گنبد خضرا کی بھی زیارت ہو جاتی ہے۔ (۲۱) ایک مرتبہ خانۂ کعبہ کا جلوہ بھی نظر آیا۔ (۲۲) دیکھا کسی ویران پہاڑی پر موجود ہوں۔ ایک بار اپنے کو کسی پر فضاء اور فرحت بخش ماحول میں پایا (۲۳) جسم مثالی کو پرواز کناں پاتی ہیں۔ تو اس کے گرد ہالۂ نور نظر آتا ہے (۲۴) دیکھا کہ کسی سڑک سے گذر رہی ہوں۔ موٹر گاڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ ایک موٹر کار ان کی طرف بڑھی۔ اندیشہ ہوا کچل نہ ڈالے۔ فوراً آنکھ کھل گئی اور اپنے کو بستر پر پڑا پایا۔ (۲۵) لکھتی ہیں کہ میں حالت بے خودی میں آپ کو بے حد قریب پاتی ہوں (۲۶) ایک مرتبہ مجھے آپ کی آواز سنائی دی۔ (۲۷) لوگوں اور چیزوں کے گرد نورانی ہالے نظر آتے ہیں۔ کسی کے گرد چمکدار دائرہ روشن ہوتا ہے کسی کے گرد مدھم (۲۸) بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ شانوں پر سر کے بجائے روشنی کا گولہ رکھا ہے (۲۹) کسی اندھیری جگہ جاتی ہیں۔ تو چاروں طرف روشنی پھیل جاتی ہے (۳۰) تاریکی میں تمام جسم خود بخود جگمگانے لگتا ہے (۳۱) قلب سے سیلاب نور بہتا محسوس ہوتا ہے۔ (۳۲) مراقبے میں دیکھا کہ ایک خوفناک شکل وصورت کا آدمی اڑتا ہوا ان کی طرف آرہا ہے۔ جیسے حملہ کرنے کا ارادہ ہو۔ لیکن کوئی نادیدہ قوت اسے روکے ہوئے ہے۔ (۳۳) از خود نویسی کرتے ہوئے ہاتھ میں سرد لہریں دوڑتی ہیں اور ہاتھ بے جان سا ہو جاتا ہے!

جسم مثالی کے مُشاہدے

کیا یہ تجربات شں۔ اقبال کے جسم خاکی کو پیش آئے۔ نہیں۔ یہ جسم مثالی کے مشاہدے ہیں

شں۔اقبال کا جسم مثالی روز بروز حساس اور فعّال ہوتا چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے کو روشنی ہی روشنی محسوس کرتی ہیں۔ روشنیوں کا تعلق گوشت پوست کے جسم سے نہیں۔ اس پیکر لطیف سے ہے جو وجود خاکی کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ خاکی جسم کا تعلق اس خاکدان تیرہ سے ہے اور جسم مثالی عالم مثال کا باسی ہے اور ہمارا وطن ثانی یہی عالم مثال ہے۔ سانس کی مشقیں ارتکاز توجہ کی مشقیں اور مراقبے کے ذریعے ہم جسم مثالی سے شعوری طور پر کام لے سکتے ہیں۔ سانس کی مشقوں سے انسان کی اندرونی صلاحیتیں رفتہ رفتہ بیدار ہونے لگتی ہیں۔

شں اقبال نے اپنی صلاحیت شفا بخشی کا ذکر کیا ہے۔ روسی سائنسدانوں کا بیان ہے[۱]

روس میں بہت سے روحانی معالج پائے جاتے ہیں۔ سائبیریا کے جادوگروں کے علاوہ سوویت یونین کے مختلف علاقوں میں متعدد ایسے افراد موجود ہیں جن میں شفا بخشی کی قدرتی صلاحیت موجود ہے۔ بطور مثال روحانی معالج (KRIVOROTOY) کہ ایک وظیفہ یاب فوجی افسر ہے۔ اپنے معالجات کی بناء پر ملک گیر شہرت رکھتا ہے۔ روسی سائنسدانوں کا بیان ہے کہ روحانی علاج کے ذریعے اعصابی امراض کا کامیاب علاج کیا جاسکتا ہے۔ سوویت یونین کے جو معالج "علاج بذریعہ توجہ" کے مدعی ہیں۔ ان کا طریق کار وہی ہے جو مسمریزم کے ماہرین کا ہوتا ہے۔ یعنی ہاتھ کے پاس کے ذریعے مریض کے جسم میں توانائی اور صحت کی لہریں دوڑانا! (KRIYOROTOY) کا بیان ہے کہ ایک نامعلوم توانائی ہے جو مریض و معالج کے درمیان بروئے کار آتی ہے۔ اس توانائی کا سرچشمہ کہاں واقع ہے؟ جسم مثالی میں جسے روسی علماء "انرجی باڈی" (حیاتی قوت) کہتے ہیں۔ روسی معالج کے طریق شفا بخشی کی عکاسی (کیرلیان فوٹو گرافی) سے معلوم ہوا کہ اس کے جسم سے روشنیاں (تیز اور مدھم) نکلتی اور مریض پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس فوٹو گرافی کے نتیجے میں پتہ چلا کہ اگر مریض کے جسم میں تیز درد ہوتا ہے تو قوی لہریں خارج ہوتی ہیں۔ ہلکا ہوتا ہے تو کم زور! ہمارا ہالۂ نور جن رنگوں

---

[۱] PSYCHIC DISCOVERIES BEHIND THE IRON

اور روشنیوں سے مرکّب ہے۔ ان پر ہماری جذباتی کیفیت کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ ہر جذبہ ایک قسم کی نورانی لہر خارج کرتا ہے اور نازک احساس آلات کے ذریعے ان لہروں کو جانچ کر آدمی کی جذباتی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خوف، غصہ، تھکن، شدتِ اضمحلال، تشویش، اضطراب، مایوسی، جنسی ہیجان، نفرت، حقارت، حسد، کینہ، انتقام، شجاعت، بزدلی، سخاوت، لطف و کرم، ایثار، قناعت، خدا ترسی، اخلاص غرض کوئی جذبہ ایسا نہیں جو توانائی سے مرکب نہ ہو۔ توانائی کے بغیر جذبہ وجود ہی میں نہیں آتا۔ وہ محض ایک سادہ غیر متحرک اور کھوکھلا سا خیال ہوتا ہے جو نہ دماغ میں تحریک پیدا کرتا ہے نہ دل میں! سوویت یونین کے سائنسدانوں نے ان تمام جذباتی لہروں کی عکاسی کو ممکن بنادیا ہے۔ ڈاکٹر برٹرینڈ گراڈ (MCGILL UNIVERSITY) نے تجربات سے ثابت کر دیا ہے کہ اگر روحانی معالج کسی ظرف میں پانی بھر کر پودوں کے بیج پر چھڑک دے تو ان کی نشوونما غیر معمولی ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ تھکن، بدمزاجی اور بیزاری کے ساتھ ایسا کرے تو بیج ٹھٹھر کر رہ جاتے ہیں۔ اس حقیقت سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مقدس لوگوں کا دم کیا ہوا پانی مریضوں کے لئے کس طرح آبِ حیات ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر گراڈ کا بیان ہے کہ انسانی جسم سے توانائی کی جو لہریں خارج ہوتی ہیں۔ ان میں ایک نامعلوم عنصر (ایکس فیکٹر) شامل ہے جو بلاشبہ پودوں اور جانوروں کو متاثر کرتا ہے۔ جانور (اور درخت) انسانی ہاتھ کے لمس سے ادراک کر لیتے ہیں کہ یہ دستِ شفقت ہے یا دستِ حقارت؟ ڈاکٹر گراڈ کے بیان کے مطابق یہ انجانی شفابخش طاقت میڈیکل سائنس کے لئے ایک قابلِ غور موضوع ہے۔ ش۔ اقبال کا یہ بیان آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں کسی ماؤف عضو پر ہاتھ رکھتی ہوں تو درد دور ہو جاتا ہے اور یہ کہ وہ جگہ میرے ہاتھ رکھنے کے سبب چمکنے لگتی ہے۔ یقیناً یہ سب اس پر اسرار توانائی کا کرشمہ ہے۔ جس کا ذکر ڈاکٹر برٹرینڈ گراڈ نے اپنے مباحث میں کیا ہے۔ مگر کیا یہ انجان ان دیکھی اور ان بوجھی قوت جسم خاکی سے خارج ہوتی رہتی ہے؟ نہیں، اس کا مرکز مثالی جسم ہے۔ ش۔ اقبال کوٹھی میں مقیم اور مریض کراچی میں! انھوں نے صحت بخشی کی لہریں۔ توجہ کے ذریعے مریض

کی طرف بھیجیں اور اس نے افاقہ محسوس کیا۔ معلوم ہوا کہ خیال کا مرکز اور شعور کا منبع انسان کے جسم مثالی کا دماغ ہے۔ وہ دماغ نہیں جو کھوپڑی میں نصب ہے۔ کیرلیان فوٹوگرافی کے ذریعے اس بات کو ثابت کیا جا چکا ہے کہ روحانی معالج کے جسم مثالی سے جو قوت (رنگ و نور کی لہریں بن کر) خارج ہوتی ہے۔ وہ مریض کے جسم مثالی (جدید اصطلاح میں بائیو پلازمک[ملاحظہ] باڈی) پر اثر ڈال کر اس کی مریضانہ کیفیت کو دور کر دیتی ہے۔ گویا بیماریاں خاکی جسم کو نہیں نورانی جسم کو لاحق ہوتی ہیں۔ خاکی جسم کے ذریعے تو صرف اس فساد کا اظہار ہوتا ہے۔ جو روح یا جسم مثالی میں پیدا ہو گیا ہے۔ سوویت یونین کے ماہرین کا بیان ہے کہ جب بھی جسم مثالی کے اعتدال میں فرق پڑے گا ناممکن ہے کہ گوشت پوست کا جسم صحت مند رہ سکے۔ اس لئے اصل علاج روح۔ نفس اور جسم لطیف کا ہونا چاہئے کہ اسی پر جسمانی صحت کا دارومدار ہے۔ حکومت بلجیم کے جوہری ادارے کے ڈاکٹر جیکوٹس ایبررا نے ایک روحانی معالج کا ذکر کیا ہے۔ جو تازہ گوشت پر ہاتھ رکھ دیتا تھا اور پھر وہ تازہ ہی رہتا تھا۔ ایک مہینے تک اس میں بوسیدگی پیدا نہ ہوتی تھی۔ کیرلیان فوٹوگرافی کے ذریعے انسانی ہالۂ نور کی جو تصویر کشی کی گئی ہے۔ ان سے جسم مثالی کے بارے میں بصیرت افروز معلومات حاصل ہوئی ہیں ۱۹۵۳ء کے لٹریری گزٹ (روس) میں کیرلیان فوٹوگرافی کے جو نتائج چھپے تھے۔ ان سے متاثر ہو کر لینن گراڈ کے ایک سرجن نے چینی طریق علاج (ACUPNCTURE) کی تحقیقات شروع کیں۔ اور وہ اس نتیجہ تک پہنچا کہ یہ طریق علاج بھی ایک اعتبار سے روحانی ہے ایکوپنچر طریق علاج یہ ہے کہ جسم کے مختلف حصوں پر سوئیاں چبھو کر قوت حیات کو بیدار کر دیا جاتا ہے۔ انسانی جسم کے مختلف حصوں میں قوت حیات کے مرکز یا روحیت کے سرچشمے واقع ہیں۔ جو لطائف ستہ کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً لطیفہ زیر ناف۔ لطیفہ قلب۔ لطیفہ روح وغیرہ وغیرہ۔ تنفس نور۔ ارتکاز توجہ [illegible] وغیرہ سے ان مرکزوں کی مخفی قوتیں سرگرم کار ہو جاتی ہیں۔

ملاحظہ BIOPLASMIC BODY

کنڈالنی شکتی

ش اقبال نے ریڑھ کی ہڈی کے درد کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ اس درد سے کیف و سرور کی ایسی لطیف لہریں اٹھتی ہیں کہ زبان اظہار حال سے قاصر ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصے کو "کنڈالنی شکتی" یا شعلۂ روح کا گھر تسلیم کیا گیا ہے۔ میں نے اس قوت کے مظاہر پر اپنی تصانیف میں بحث کی ہے۔ اس وقت عرض کرنا یہ ہے کہ کنڈالنی شکتی کی بیداری کے لئے چینی حکماء سوئی (ایکوپنکچر) کا استعمال کرتے ہیں۔ پچھلے اہل تحقیق کا بیان ہے کہ لطائف ستہ کا مرکز درحقیقت جسم مثالی کے چکر ہیں۔ خیالات، جذبات، آواز، روشنی آواز مقناطیسی میدان۔ مختصر یہ کہ ہر ہیج اور محرک ہمارے اثیری وجود (ایتھریکل باڈی) پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آکسفورڈ (انگلینڈ) کی ڈی لاوار لیبارٹریز میں جو تحقیقات کی گئی ہے۔ اس سے بھی روسی حیاتی طبیعیات دانوں (بایوفزسٹ) کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ روس میں ان مظاہر کی تحقیقات مابعد النفسیات (پیراسائیکالوجی) کے بجائے خالص طبیعات دانوں کی ذمہ داری ہے۔ سوویت یونین میں مابعد النفسیات اور نام نہاد روحانیات کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ کمیونسٹ ملکوں میں خارق العادات (سپرنارمل) مظاہر کی چھان بین اور جانچ پرتال، آلات، لیبارٹری اور مسلمہ سائنسی اصولوں کے ذریعے کی جا رہی ہے اور یہ بے حد حوصلہ افزا بات ہے۔ سوویت یونین میں اس موضوع پر بلکہ ان موضوعات (جسم مثالی یوگ، کشف، ٹیلی پیتھی وغیرہ) پر کیسا عظیم الشان کام ہو رہا ہے۔ اس کا اندازہ "سائیکیک ڈسکوریز بی ہائنڈ دی آئرن کرٹین" (آہنی پردے کے پیچھے روحی تحقیقات) کے مطالعے سے ہو گا۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلا کہ سائنس کی مشقیں جسم مثالی کی کارکردگی میں غیر معمولی اضافہ کر دیتی ہیں۔

اٹھارہ ہزار عالم

س - الف ، مکتوب یکم مئی ۱۹۷۴ء رقم طراز ہیں کہ

حیرت کی بات ہے کہ ماورائے ادراک لامنتہا حقائق کو مختصر سے مضمون میں زیر بحث لے آتے ہیں (عرض یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے "کُن" سے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے۔ اٹھارہ ہزار عالم تو پیدا کئے۔ مگر کہیں اللہ اور اس کے حبیبؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ: عالم مثال کا کرہ بھی خلق کیا گیا ہے۔ البتہ علماء اسلام نے اس دنیا کا ذکر کیا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ افلاطون نے عالم مثال کا نظریہ پیش کیا تھا۔ افلاطون کا تعلق "فرقہ وحدتیہ" سے تھا۔ افلاطون عالم کا مبداء اور سرچشمہ اور اصل (صرف ایک سمجھتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اس عالم محسوس (وہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں) میں ہر شے فرداً فرداً جزئی اور متشخص ہو کر آتی ہے۔ جبکہ کلیات اور انواع دوسرے عالم میں بستے ہیں جسے عالم مثل (یا عالم مثال) کہتے ہیں۔ عالم محسوس میں افراد اور جزئیات کا کوئی وجود نہیں۔ یہ صرف اپنی نوع کے آثار اور ظلال (سائے) ہیں۔ جب کہ ہر نوع کی مستقل روح کا نام خدا ہے۔ علماء اسلام نے اس فلسفے کو باطل قرار دیا ہے۔ امام ربانی نے عالم ممکنات کی تین قسمیں قرار دی ہیں (۱) عالم ارواح (۲) عالم مثال (۳) عالم اجسام۔ آپ نے فرمایا کہ عالم مثال عالم ارواح اور عالم اجسام کے معانی اور حقائق کے لئے آئینے کی مانند ہے۔ یعنی صور اور اشکال (صورتیں اور شکلیں) دوسرے عالموں سے آکر اس میں عکس انداز ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے یہ خیال امام غزالی کے یہاں ملتا ہے انھوں نے عالم کو عالم وجود کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ امام غزالی کے نزدیک وجود کی تین قسمیں ہیں (۱) وجود حسیؔ (۲) وجود عقلی اور (۳) وجود خیالی۔ وجود خیالی یہ کہ زبان حال تمثیلی رنگ میں محسوس اور مشاہدہ بن کر سامنے آئے۔ یہ خاص انبیاء اور پیغمبروں کی شان ہے۔ ولایت تامہ رکھنے والی شخصیتیں اپنے تصرف سے ولایت کے فیض کی شعاعیں دوسروں پر بھی ڈالتی ہیں۔ اور وہ بھی وہی دیکھتے

اور سنتے ہیں۔ جو صاحب ولایت دیکھتا اور سنتا ہے۔ شیخ الاشراق نے اس کا نام عالم امر رکھا ہے لیکن انھوں نے عالم امثال اور "مثل افلاطونیہ" کو خلط ملط کر دیا ہے۔ خواجہ حافظ کا بیان ہے کہ عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں عالم تمثالے ہست" مرزا غالب فرماتے ہیں کہ

عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

علامہ اقبال کا ارشاد ہے کہ

خودی کی خلوتوں میں کبریائی

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی

عام طور پر صوفی شعرا اس کو "آئینہ دل" "جہان دل" "اور صنم خانۂ دل" سے تعبیر کرتے ہیں۔ الغرض ماورائے ادراک حقائق، حواس خمسہ کو مجتمع کر کے چھٹی حس پیدا کرنے کے بعد جس عالم (کیفیت) میں سامنے آتے ہیں۔ اس کے بے شمار مدارج ہیں۔ ان کو منازل سلوک کہتے ہیں۔ اس "چھٹی حس" کو آپ مثالی جسم کہتے ہیں۔ آپ کے اس بیان سے بندہ متفق نہیں۔ وہ (جسم مثالی) انسان سے پچاسیوں گنا طاقتور ہے۔ بے شمار روپ دھار کر سالک کے سامنے آتا ہے۔ ایک بار آپ نے "یادوں کی برات" کا اقتباس پیش کیا تھا۔ جس میں بندر وغیرہ جوش ملیح آبادی کے وجود پر تھاپ لگا رہے تھے۔ آپ نے اسے عجیب مشاہدہ قرار دیا تھا۔ حالانکہ وہ عالم مثال کا گھٹیا مشاہدہ ہے۔ یہ بندر۔ لنگور اور ہنومان تو آریوں کے زمانے سے لے کر آج تک ہندو سادھوں کی کھوپڑیوں میں ناچتے رہتے ہیں۔ اور یہی ان کی پرستش کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ مگر یہ تمام نفس امارہ یا قوت شر کی کارگذاریاں ہیں۔

جانوروں کے رُوپ میں

جب سالک یار کی تلاش میں نکلتا ہے تو ابتدائی ایام میں نفس امارہ جانوروں کے

روپ میں سامنے آکر سالک کو مارنے کی کوشش کرتا ہے خاکسار نے مارچ ۱۹۴۶ء میں راہ سلوک میں قدم رکھا اس سال ایک روز بغیر حصار کئے اُس (نفس امارہ) نے سانڈ کی شکل میں آکر ٹکر ماری اس ٹکر سے قے آنے کی حالت (متلی) پیدا ہو گئی۔ ایک موثر کاٹ ذہن میں تھی۔ فوراً ورد شروع کر دیا اور اللہ نے جان بچا دی۔ اس طرح کے ٹکراؤ بعد کو بھی ہوئے۔ وہ (نفس امارہ) طویل عرصے تک سالک کی بائیں سمت سے دائیں سمت کی طرف بھاگتا رہتا ہے۔ آخر کار جب مکمل طور پر فیق (زنگ و عاجز) ہو جاتا ہے۔ تو سالک کی قوت ارادی کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اس میں خاکسار کو سات سال بعد کامیابی نصیب ہوئی۔

مقام شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد (اقبال)

البتہ وہ ممیز ہونے کے لئے انسان کے مادی جسم سے بھی وابستگی رکھتا ہے۔ کبھی شکل ظاہر کے روپ میں۔ کبھی اس کے علاوہ! دونوں صورتوں میں سالک کے سامنے آتا رہتا ہے۔ اپنے استاد نے اس کو جسم باطن یا جسم لطیف فرمایا۔ اور بندہ بھی یہی سمجھتا ہے۔ جب جسم باطن سالک کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ تو وہ سالک کی مرضی کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس وقت سالک اس کو آفاق میں بھاگنے کے بجائے ستاروں سے آگے عمودی طور پر لے جاتا ہے۔

لاہوت و جبروت

یہ پہلی دنیا کو لاہوت کہتے ہیں۔ جب سینکڑوں آفتابوں کی روشنی سالک پر نازل ہوتی ہے تو جبروت سامنے آتا ہے۔ اس عالم خیال میں یار کی ایک نظر اسے فنا کر دیتی ہے۔ بقول اقبال۔

برق گرتی ہے — تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

اسکے بعد سالک پر دو حال وارد ہوتے ہیں۔ (۱) عارضی استغراق (۲) دائمی استغراق۔ اگر سالک کو دنیا میں اپنا باطنی کردار انجام دینے کے لئے ہوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہ ڈوبتا ابھرتا ہے۔ جسے عارضی استغراق کہتے ہیں۔ بندہ یہ خط آپ کو گمنام ہی لکھ رہا تھا ہے۔ اسلئے کہ اپنے اُستاد کی زندگی بھی جنگلات میں بسر ہوئی۔ اور طویل عرصہ سے اپنی زندگی بھی گوشۂ تنہائی میں بسر ہو رہی ہے۔ فطری طور پر شاعر ہوں۔ مگر منظرِ عام پر آنے سے گریز کرتا ہوں۔ نقار خانے میں طوطی کی صدا بن کر عوام کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کچھ دن گزرے۔ احسان دانش کا ایک شعر اردو ڈائجسٹ میں نظر سے گزرا۔ پڑھ کر ہنسی آئی۔

دیکھنا ہے کلمۂ حق کس زباں پر آئے گا
میں ہی کیا چپ ہوں بنے بیٹھے ہیں پتھر اور بھی

آپ احسان صاحب سے گزارش کیجئے کہ ان پتھروں کی نشاندہی کر کے منظرِ عام پر لے آئیں۔ عین ممکن ہے۔ دنیائے سخن میں بے یقینی۔ کوتہ ذہنی اور کج روی کے بہتے ہوئے دھارے کا رُخ پلٹ جائے (سین الف)

لطیف سواری

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فصوص الحکم (حکمت نفسیہ فی کلمۃ یونسیہ) میں جسم مثالی کو وجودِ انسانی کی لطیف ترین سواری سے تشبیہ دی ہے کہتے ہیں کہ۔ جب حق تعالیٰ اس بندے کی روح کو لے لیتا ہے۔ تو مرکب جسمانی (جسم کی سواری) کے بجائے (روح کو) دوسرا مرکب یعنی سواری عطا کرتا ہے۔ وہ سواری اس عالم (عالمِ مثال) کے مناسب ہوگی جس میں اسکو منتقل کیا جائے گا۔ وہ عالم دار البقا ہے۔ شیخ کے نزدیک یہ بات معتبر نہیں ہے کہ موت سے میت فنا ہو جاتی ہے۔ ان کے نزدیک (موت) تفریقِ اجزا کا نام ہے۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے؟ انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

شیخ اکبرؒ کے نزدیک موت عام معنوں سے کہیں زیادہ وسیع معانی رکھتی ہے۔ کیونکہ نقطۂ انتقال ایک حال سے دوسرے حال کی طرف۔ ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف اس وجود میں منتقل ہوتا رہتا ہے جو ہمیشہ تغیّر کی حالت میں ہے۔ کیونکہ ہر موجود ہر آن ایک صورت سے دوسری صورت میں انتقال کرتا رہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلی صورت (جسمانی حالت) میں فنا ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت (عالم مثال) میں بقا نصیب ہوتی ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو خلق جدید یا تجدد امثال کے نام سے کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ پس موت کیا ہے؟ محض فنائے صورت کا نام ہے اس انتقال سے وہ ذات کہ جس پر بے شمار صورتیں عارض ہوتی ہیں۔ (یعنی جو ان گنت شکلوں میں رونما ہوتی ہے) فنا نہیں ہوتی بلکہ انسانی کا حقیقی وجود ہمیشہ قائم و برقرار رہتا ہے۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

انسان کا مثالی جسم بھی اسکی ذات کے حقیقی مرکز (انا) کے لئے سواری کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد احمد بیگ چغتائی (استاد محمد) بلوچستان نے اپنے کو مراقبے کی حالت میں تحلیل ہوتے پایا۔ یہ تحلیل ہونے کی کیفیت گوشت پوست کے جسم نے محسوس نہیں کی نفس یا انا نے محسوس کی۔ اپنے خط مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۷۴ء میں لکھتے ہیں کہ

مراقبۂ نور کے درمیان کچھ نئے تجربات کا اضافہ ہوا ہے۔ دورانِ مراقبہ خود کو فضائے نور یعنی غیر محسوس فضا میں تحلیل ہوتے ہوئے پایا ہے۔ کئی بار محسوس کیا کہ پیکر نوری، جسمِ خاکی سے آزاد ہو کر فضا میں ابھرا۔ دائیں بائیں چکر لگایا۔ معلّق ہوا۔ چھت سے جا لگا۔ اس عالم میں کیف و سرور کی ان کیفیات سے گزرا ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم

کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بستر پر بیٹھا ہوں اور بستر پہ لیٹا بھی ہوں۔

(سعیدہ اختر رسول نگر گوجرانوالہ) کا بیان سنیئے۔

دودھیا رنگ

ان عملیات کے اثرات کچھ اس طرح رُونما ہوتے ہیں کہ مشق تنفس نور میں اکثر جسم مثالی کو اپنے سے باہر دیکھتی ہوں۔ اسکی پشت میری طرف ہوتی ہے۔ اکثر اس کا رنگ سائے کی طرح سیاہ ہوتا ہے البتہ ایک مرتبہ اسکا رنگ دودھیا سفید تھا۔ یہ مشق کرتے ہوئے ہونٹ گرم ہو کر جلنے لگتے ہیں۔ مراقبہ نور میں ایک نورانی گولہ نظر آتا ہے۔ یہ نورانی گولہ جدھر سے گزرتا ہے وہاں نور پھیل جاتا ہے ساتھ ہی ساتھ ہلکی گرمی بھی محسوس ہوتی ہے۔ نقطہ بینی (التسخیر) کرتے ہوئے چند دن ہوئے نقطہ طرح طرح کے رنگ بدلنے لگا ہے کبھی اس نقطے میں سفید نقطے نظر آنے لگتے ہیں۔ کبھی کلمۂ طیبہ لکھا ہوا نظر آتا ہے تو کبھی کوئی اور ناقابل فہم تحریر ہوتی ہے۔ جب چاند کو دیکھتی ہوں۔ تو اس میں طرح طرح کے چلتے پھرتے مناظر دکھائی دیتے ہیں چاند کو دیکھنے میں اسقدر محو ہو جاتی ہوں کہ گرد و پیش کی خبر نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ چاند سے "بے سر کا ایک آدمی" باہر نکلا اور اسکے پرتو سے سارا علاقہ منور ہو گیا۔ مراقبہ اسم ذات (اللہ) کرتے ہوئے یہ تصور کرتی ہوں کہ قلب پر "اللہ" لکھا ہوا ہے۔ تو ایسا لگتا ہے کہ قلب کٹ کر الگ جا گرا۔ یا اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ جب یہ صورت ہوتی ہے۔ تو آپ کو مدد کے لئے پکارتی ہوں۔ (تصور کرتی ہوں) کچھ دیر بعد آپ میرے قریب کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ قلب پر اللہ کا تصور قائم ہو جاتا ہے قلب جاری ہو جاتا ہے۔ . . . . . . اور قلب میں سے اللہ اللہ کی آواز آتی ہے۔ کبھی ایسا لگتا ہے۔ کہ ایک کے بجائے کئی دل ہو گئے ہیں۔ کوئی دل سینے پر چپکا ہے۔ کوئی پیٹ پر۔ کوئی کسی جگہ ایک دفعہ آپ کا تصور کیا۔ تو آپ کو دس بارہ سال کی عمر کا پایا۔ ایک دفعہ مشق کے بعد لیٹی تو جسم

مثالی کو اپنے برابر لیٹے ہوئے دیکھا۔

سعیدہ اختر میں غیر معمولی روحی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ آج سے نہیں ابتدا سے! اس خط میں آگے چل کر لکھتی ہیں کہ:۔

کچھ ابتدائی زندگی کا حال بھی سن لیجئے ہوش سنبھالنے کے بعد سے زندگی خوشیوں میں بسر ہونے لگی۔ دن بھر دلِ خوش کن اور لنواز خوشبوئیں آتی رہتی تھیں۔ کبھی کبھی ہونٹ شہد کی طرح میٹھے ہو جاتے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے چپکنے لگتے۔ کبھی کبھی منہ نہایت لذیذ دودھ سے بھر جاتا اور میں اس دودھ کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتی۔ بحالتِ خواب کئی مرتبہ انبیا علیہم السلام اور بزرگانِ دین اور رسول اللہ کی زیارت کر چکی ہوں۔ سونے کے بعد اکثر اپنے کو مکے یا مدینہ میں پاتی ہوں رئیس صاحب! سوتے جاگتے میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے شرف یاب ہو چکی ہوں۔ اکثر سچے خواب نظر آتے ہیں۔ لوگوں کو دیکھتے ہی ان عادات و کردار کا پتہ چل جاتا۔ ان کی "سوچ" کو پڑھ لیتی۔ جو بات کہتی وہ پوری ہوتی آسمان کو دیکھتی تو ... ہو جاتا۔ اور پردہ غیب کے اسرار نظر آنے لگتے۔ (از رسول نگر گوجرانوالہ مکتوب ۲۲ جنوری ۱۹۷۴ء)

روحی تجربات

اس قسم کے روحی تجربات (جن کا ذکر سعیدہ اختر نے کیا) جسمِ مادی کو نہیں جسمِ مثالی کو پیش آتے ہیں۔ مثلاً سعیدہ اختر کو عجب طرح کی خوشبوئیں محسوس ہوتیں ایسا لگتا کہ منہ میں شہد بھرا ہوا ہے یا چشمۂ غیب یا نہر لبن کے دودھ سے دہن لبریز ہو جاتا اور سعیدہ اکثر گھونٹ گھونٹ کر کے وہ دودھ پیتیں۔ کیا یہ جسمانی حواس (شامہ۔ ذائقہ۔ لامسہ) کے کرشمے ہیں؟ نہیں جسمِ مثالی کے بھی حواس لطیف ہوتے ہیں۔ اور یہ تجربے۔ روحانی شامہ۔ ذائقہ اور لامسہ ہی کے ہیں اسی پر گزرتے ہیں۔ شبیر حسن (۳ جنوری ۱۹۷۴ء) کا بیان بھی قابلِ مطالعہ ہے۔

دائرہ نور

دو دن ہوئے۔ عجب بات ہوئی۔ میں نمازِ صبح کے بعد "صبوحی" (صبح کی مشقِ تنفسِ نور) سے فارغ ہو کر ذرا سی دیر کے لئے بستر پر لیٹ گیا۔ ذہن میں نور کا تصور تھا۔ اب میں نے خیال کیا کہ چشمِ تصور میں سورج چمک رہا ہے۔ یکایک حاشیۂ خیال پر سورج ابھر آیا۔ اس کے ساتھ دو، تین زبردست جھٹکے لگے۔ ایک لمحے کے لئے سورج کا تصور ذہن سے نکل گیا۔ پھر جونہی سورج کا تصور کیا۔ جھٹکے لگنے شروع ہو گئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ جھٹکے میرے جسمِ خاکی کو نہیں، جسمِ مثالی کو لگے۔ چشمِ باطن کو مثالی جسم "دائرہ نور" یا ہالۂ نور کی طرح نظر آتا ہے۔ شیر افگن (لائل پور) نے لکھا ہے کہ میں مشقِ تنفس نور اور مراقبۂ نور کا طالب علم ہوں۔ جس چیز کو نظر جما کر دیکھوں (چاہے وہ ذی روح ہو یا بے جان۔ آدمی ہو یا درخت) تو اس کے اندر سے اس کا نورانی وجود نکل کر الگ ہو جاتا ہے۔ اسم اللہ پر نظر جماتا ہوں تو وہ لفظ بعض دفعہ اتنا نورانی ہو جاتا ہے کہ اسم اللہ ہی غالب ہو جاتا ہے اور لفظ اندر ہی باقی رہ جاتا ہے۔

دوسرا اللہ بچایو

اللہ بچایو (لیاقت میڈیکل کالج جام شورو) کے معاملات اور بھی دلچسپ ہیں۔ اللہ بچایو کا بیان ہے:۔ یہ واقعہ ایک ماہ قبل کا ہے۔ اس رات میرے پاس میرا دوست آیا ہوا تھا ہم دونوں نیچے بستر بچھائے ہوئے سوتے تھے کیونکہ میرے کمرے میں پلنگ نہیں ہے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میرا دوست سو چکا تھا۔ میرا ذہن کچھ تھکا ہوا تھا۔ رات کے کوئی ۱۰ بجے کا عمل ہوگا کہ آنکھیں نیند سے بوجھل ہو کر بند ہونے لگیں۔ باہر سے آنے والی روشنی کے سبب کمرے میں ہلکا ہلکا اجالا ہو رہا تھا۔ نیم بند آنکھوں سے میں نے دیکھا کہ مجھ میں سے یعنی مجھ لیٹے ہوئے اللہ بچایو میں سے دوسرا آہستہ آہستہ باہر نکل کر کھڑا ہو گیا حالانکہ میں فرش پر سیدھا لیٹا ہوا دوسرے کے جسم کو دیکھ رہا

تھا۔ آپ میری حیرت کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں۔ میری نظریں اپنے دوسرے جسم پر پوری طرح جمی ہوئی تھیں۔ دیکھا کہ وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اسوقت میری توجہ کی شدت (محویت) ختم ہو گئی۔ اور وہ دوسرا جسم واپس آکر میرے اندر سما گیا۔

جیسے مجھ میں سے کوئی شخص سمایا جاتا

یہ معاملہ بیداری میں پیش آیا۔ پھر مجھ پر نیند طاری ہو گئی۔ صبح آنکھ کھلی تو رات والی سب باتیں (واردات) بخوبی یاد تھیں۔ اب تک ان باتوں کا ذکر میں نے کسی سے نہیں کیا۔ ویسے عرض کرتا چلوں کہ چھ سال سے ہوسٹل کی زندگی بسر کرتا چلا آرہا ہوں۔ اب کل رات کے واقعے کا ذکر کرتا ہوں۔ کل رات ایک بجے تک نیند نہیں آئی۔ پھر غنودگی کی حالت طاری ہونے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ مکمل بیداری کے عالم میں ہوں۔ دیکھا کہ کمرے کی کھڑکیاں بند ہو گئیں۔ ایسا لگا کہ کورس کی کتابیں میرے اوپر بکھری ہوئی ہیں۔ اور میں گھپ اندھیرے میں گھرا ہوا ہوں۔ رئیس صاحب! میں بے حد گھبرا گیا اور چیخ کر اپنے دوست کو پکارنے لگا، جو برابر والے کمرے میں سویا ہوا تھا میں چیختا رہا مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ یکایک سر کو جنبش دی۔ اور آہستہ آہستہ کمرے میں روشنی پھیلنے لگی۔ دیکھا کہ کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ (بند نہیں ہے) اور کتابیں شیلف میں رکھی ہیں۔ (بکھری ہوئی نہیں ہیں) پورا بدن پسینے میں تر بتر تھا۔ اٹھا۔ زیرو بلب روشن کیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد نئی ڈرامہ رونما ہوا۔ اب دیکھا کہ میرا ٹیبل لیمپ فرش پر پڑا ہے اور کرسی اوندھی ہے۔ ڈرا ہوا تو تھا ہی چیخنے لگا مگر بے سود۔ اچھی طرح یاد ہے کہ اس نازک لمحے میں میں نے اپنے سے کہا کہ "ہو سکتا ہے کہ میں پھر ڈر گیا ہوں۔ اور کرسی اپنی طرف کھینچ لی ہو"۔ رئیس صاحب بے شک اپنا یہ جملہ مجھے یاد ہے۔ خیر بڑی مشکل سے اٹھ بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ تو دیکھا کہ کرسی اپنی جگہ موجود ہے۔ اور بلب جل رہا ہے۔ بدن پسینے پسینے تھا!

یہ اور اس قسم کے صدہا تجربوں اور مشاہدوں کی تفصیلات آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ کیا ہم ان تجربوں اور مشاہدوں کی علمی نقطۂ نظر سے کوئی توجیہہ کر سکتے ہیں۔ فی الحال نہیں"

عملی نقطۂ نظر سے میرا مدعا ہے خالص سائنسی اور تجرباتی انداز نظر۔ جس کی رو سے ہر تجربے کے قوانین دریافت کئے جاتے ہیں۔ مثلاً جب بھی ہائیڈروجن اور آکسیجن کو خاص تناسب سے ملا دیا جائے گا۔ پانی وجود میں آجائے گا۔ آپ ایک لاکھ مرتبہ اس تجربے کو دہرائیں۔ نتیجہ یہی برآمد ہوگا لیکن کیا جسم مثالی کا سائنسی تجربہ ممکن ہے؟ اس سلسلے میں سوویت یونین کے سائنسدان یہ کام کر رہے ہیں۔ ان سے مستقبل قریب میں بڑی بڑی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ سعیدہ اختر نے لکھا ہے کہ جسم مثالی کا رنگ سائے کی طرح سیاہ ہوتا ہے! البتہ ایک مرتبہ اس کا رنگ "دھیا سفید" تھا۔ روس میں کرلیان فوٹوگرافی سے پتہ چلا کہ انسانی ہالہ نور میں بے شمار رنگ ہوتے ہیں۔ شیر افگن لکھتے ہیں کہ جس چیز پر نظر ڈالتا ہوں اس کے اندر سے اس جیسی ایک چیز (یعنی اس کا اندرونی وجود) باہر نکل کر الگ ہو جاتی ہے۔ شیر افگن کا مطالعہ اور مشاہدہ سو فیصدی مبنی بر حقیقت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر جاندار اور بے جان چیز کا ایک "جسم مثالی" ہوا کرتا ہے۔ یہ مشاہدہ روحیت پسند حضرات ہی کا نہیں کسی نہ کسی حد تک سائنسدانوں کا بھی ہے۔

مثالی جسم کی لطافت کے بھی بے شمار درجے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی وجود تہہ در تہہ اور زینہ بہ زینہ واقع ہوا ہے۔ وجود خاکی سے لے کر وجود روحانی تک نہ جانے کتنی منزلیں اور کتنے درجے ہیں۔ وجود کے ان تمام درجوں اور منزلوں سے روح انسانی یا انسانی انا (یعنی رئیس امروہوی کے وجود کی وہ چیز جسے میں "میں" کہتا ہوں یعنی میں رئیس امروہوی ہوں) درجہ بدرجہ گزرتی ہے اور آخر کار "وجود مطلق" میں ضم ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بحثیں اسقدر دقیق اور یہ مقامات اسقدر نازک ہیں کہ انھیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ صرف اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اگر ایسا ہوا، تو ایسا ہوگا۔ یا ایسا ہونا ممکن ہے

S.C.T

اگر آپ جسم مثالی کو فعال اور متحرک بنانا چاہتے ہیں۔ تو اس مقصد کے لئے نصاب

تعمیرِ تنظیمِ شخصیت (T.C.S) کی نشقیں خصوصیت کے ساتھ مشقیں تنفسِ نور اور مراقبۂ نور غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ سانس کی مشقوں سے انسان کی قوتِ حیات (جسے یوگ والے کنڈالنی شکتی کہتے ہیں)، جو تمام خارق العادات کا سرچشمہ ہے۔ رفتہ رفتہ بیدار ہونے لگتی ہے۔ اور مراقبے سے نفس کی قوت ابھرتی ہے۔ ابھی دنیا کو خیال کی قوت اور ارتکازِ توجہ کی ہمہ گیری کا اندازہ نہیں۔ مراقبے کے استغراق اور ڈوب جانے کی حالت میں شعوری سرگرمیاں دھیمی پڑجاتی ہیں۔ اور شمعِ شعور کے ٹمٹماتے ہی حیات کی مضمر، مخفی اور ممکن صلاحیتیں اجاگر ہونے لگتی ہیں۔ ش۔ اقبال کا بیان سنیئے۔ مراقبے میں اسقدر استغراق پیدا ہوجاتا ہے۔ کہ جسم کا احساس تک باقی نہیں رہتا۔ ایسا لگتا ہے کہ میں روشنی ہی روشنی نور ہی نور ہوں۔ پتہ نہیں بحالتِ استغراق کہاں کہاں کی سیر کرتی ہوں؟ اس ڈوب جانے کی حالت (مراقبے) میں آپ نظر آتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ سے کلام کس طرح کیا جائے۔؟ کیا آپ روحانی بات چیت کا کوئی طریقہ بتائیں گے؟ ش۔ اقبال (روہڑی) مشقِ تنفسِ نور اور مراقبۂ نور میری نگرانی میں کر رہی ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان ایک ذہنی رشتہ قائم ہے اس رشتے کو نفسیات کی اصطلاح میں "رابطۂ نفسی (RAPORT)" کہتے ہیں۔ بنا بریں ہرگز مقامِ تعجب نہیں کہ استغراق کے عالم میں وہ مجھے دیکھتی ہیں۔ ہاں۔ میں نے ابھی "کنڈالنی شکتی" کا ذکر کیا تھا اسکی جگہ ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصہ میں ہے۔ ش۔ اقبال لکھتی ہیں (مکتوب ۸ جون ۱۹۷۰ء) کہ ریڑھ کی ہڈی میں جب درد ہوتا ہے تو مجھ پر نشہ سا طاری ہوجاتا ہے۔ بس یوں لگتا ہے کہ درد کی لہر بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس وقت درد کے بجائے کسی چیز کا احساس نہیں رہتا۔ ہاتھ کی انگلیوں سے بسا اوقات نیلے نیلے رنگ کی روشنی نکلتی ہے۔ قلب سے روشنی خارج ہوتی رہتی ہے۔ ابھی دو چار روز کا قصہ ہے میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اچانک قلب سے روشنی نکل کر کتاب پر پڑنے لگی۔ یہ حالت دو تین منٹ طاری رہی۔ ایک روز نمازِ عصر کے بعد درود شریف کا ورد کر رہی تھی کہ محویت طاری ہوئی اور محویت طاری ہوتے ہی ایک دم اندھیرا کمرہ تیز روشنی سے منور ہوگیا۔ روشنی چند سیکنڈ قائم رہی۔ پھر غائب ہوگئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے یہ تمام مشقیں

روضۂ مقدسہ(۱) کے شوق میں شروع کی تھیں۔ خدا کے فضل سے مجھے اس مبارک مقصد میں پوری طرح کامیابی نصیب ہوئی۔ ابھی چند روز کا ذکر ہے۔ کہ صبح صادق کے وقت میں سانس کی مشق اور نماز فجر پڑھ کر لیٹ گئی۔ اچانک۔ بلا ارادہ غنودگی طاری ہوگئی۔ دیکھا کہ میں روضۂ اقدس کے قریب موجود ہوں۔ شفیق استاد! یہ بڑا زرح پرور نظارہ تھا۔ قبل طلوع آفتاب کا سماں۔ کاش یہ کیفیت تا دیر طاری رہتی۔ لیکن چند منٹ بعد ہی ہوش آگیا۔ دیکھا کہ چارپائی پر لیٹی ہوں۔ اس خط میں ش۔ اقبال (رشڑی) لکھتی ہیں کہ جب میں مراقبہ کرتی ہوں۔ تو جسم مثالی کو پرواز کناں پاتی ہوں۔ اس کے ساتھ محسوس ہوتا ہے کہ خود بھی اڑ رہی ہوں۔ عالم مثالی کے بارے میں عرض یہ ہے کہ میں ابھی تردید یا تصدیق نہیں کر سکتی۔ ایک روز رات کے پونے دس بجے مشق تنفس نور کر رہی تھی۔ یکایک ایسا لگا کہ میرا جسمانی وجود غائب ہوگیا ہے۔ (دیکھا آپ نے جسمانی وجود کتنی نابود چیز ہے کہ ایک سانس میں غائب ہوجاتا ہے۔) اور میں صرف مجسمہ نور ہوں۔ یہ سچ ہے۔

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

انہی سطور کی تحریر کے وقت ش۔ اقبال کا ایک اور خط موصول ہوا ہے جس میں انھوں نے کسی قدر تفصیل سے اپنے بعض تجربات قلم بند کر کے بھیجے ہیں۔ ملاحظہ ہو!

متضاد تجربے

استاد معظم! آپ نے لکھا ہے کہ عنقریب مراقبے کی گرمی دور ہوجائے گی۔ ش۔ اقبال کو مراقبے میں شدید گرمی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن گرمی کا حال وہی ہے۔ کبھی کم ہوجاتی ہے تو کبھی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ خدا کی پناہ! نجانے یہ گرمی کیوں میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ جب میں اسم اللہ کا ورد کرتی ہوں۔ تب بھی میرا جسم گرم ہوجاتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی میرے قریب ہو تو وہ بھی میری حرارت بدنی کو محسوس کر سکتا ہے۔ اسم ذات کے وظیفے میں قلب کے اندر روشنی پھیل

پھیل جاتی ہے۔ جیسے کوئی شمع روشن ہو گئی۔ جس کی تابانی سے دل و دماغ منور ہو گئے اور جسم جگ مگ کرنے لگا۔ کبھی کبھی وظیفے کی تاثیر سے بایاں پہلو گرم ہو جاتا ہے۔ (قلب بائیں طرف واقع ہے) اور جسم سے ہلکی ہلکی تپش تو ہر وقت نکلتی ہے۔ مراقبے کا وقت مقرر نہیں، جب بھی وقت ملا مراقبہ کر لیا۔ مراقبہ نور کرتے ہوئے اکثر بے خودی کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور اس عالم خود فراموشی میں نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرتی پھرتی ہوں۔ اگر میں ان تجربات کی تفصیل بیان کروں تو شاید آپ کو یقین نہ آئے۔ ویسے میں خود بھی نہ ان تجربات کو صحیح کہہ سکتی ہوں نہ غلط! بہرحال مختصراً چند تفصیلات سن لیں۔ میں نے بارہا عرض کیا ہے۔ کہ بحالت مراقبہ اپنے کو کسی اور دنیا میں پاتی ہوں۔ وہاں ہر طرف سفید لباس پہنے ہوئے اجنبی لوگ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں گزشتہ دنوں مراقبہ کرتے ہوئے پھر میں نے اپنے کو اسی "دنیائے نادیدہ" میں پایا۔ وہاں کی سیر کرتے ہوئے ایک جگہ اپنے مرحوم بھائی کو دیکھا۔ اس مقام پر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی مرحوم بھائی کے قریب کچھ اجنبی چہرے نظر آئے۔ شاید سب لوگ مصروف گفتگو تھے۔ میں نے بھائی کی طرف دیکھا۔ اس نے میری طرف۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی قوت گویائی سلب ہو گئی اور میں کوشش کے باوجود لبوں کو جنبش نہ دے سکی۔ پھر نجانے کیا ہوا کہ مجھے اپنی خبر نہ رہی ہوش آنے پر دیکھا کہ جسم لکڑی کی طرح سخت ہے اور پورا جسم پسینے میں نہایا ہوا ہے۔ اس دفعہ مراقبہ کر رہی تھی۔ تو ڈوب جانے کی حالت میں دیکھا۔ کہ گھر سے باہر دروازے پر کھڑی ہوں۔ اور آسمان پر ستارے جھلملا رہے ہیں۔ ہوش آیا تو آسمان پر نظر ڈالی۔ دیکھا کہ آسمان پر اس طرح ستارے جھلملا رہے ہیں۔ جس طرح مراقبے کی بیخودی میں دیکھے تھے۔ ایک مرتبہ بعالم استغراق کسی نہایت خوبصورت باغ کی سیر کی اور لطف یہ ہے۔ کہ مراقبے کے بعد بھی تا دیر پھولوں کی خوشبو سونگھتی رہی۔ اب اکثر میں اپنے کو اپنے خاکی جسم سے باہر دیکھتی ہوں۔ اس وقت جسم خاکی عجیب حالت میں نظر آتا ہے۔ جیسے لاش۔ اش۔ اقبال میری "روحی معمول" ہیں۔ اور خالدہ رفعت بھی! خالدہ رفعت۔ عالم ارواح اور عالم ہمزاد جیسی دلچسپ اور مفید کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ ان دونوں

لڑکیوں نے میری براہ راست نگرانی میں سانس کی مشقیں حاضرات ارواح اور مراقبے کے عمل کئے ہیں اور اپنی لطیف حساسیت۔ نازک ذہانت، بے پایاں شغف اور ترقی پذیر روحیت کے سبب اس میدان میں نمایاں پیش قدمی کی ہے ش۔ اقبال نے مراقبے کی گرمی کا ذکر کیا ہے اب خالدہ رفعت کا بیان سنیئے۔ لکھتی ہیں کہ۔

یہ ذکر ہے "عالم مراقبہ" کا۔ مراقبہ میں شعلہ نور کا تصور کرتے ہی پنڈلی میں شدید گرمی کا احساس ہوا۔ پھر تمام جسم گرمی سے تپنے لگا۔ آہستہ آہستہ پنڈلی سے شعلہ نور کو نکلنے لگی تو محسوس ہوا کہ جدھر جدھر سے شعلہ نور گزر رہا ہے۔ وہ جگہ برف کی طرح سرد ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جب شعلہ نور جسم سے باہر نکلا تو کھٹ سے آواز آئی اسکے بعد تمام جسم سرد پڑ گیا۔ میں اس وقت نورانی جسم میں کھڑی اپنے پیکر خاکی کا نظارہ کر رہی تھی۔ جو بے حس و حرکت سامنے تخت پر پڑا تھا یہ نظارہ چند منٹ نگاہ کے سامنے رہا۔ پھر غائب ہو گیا۔ اس منظر کے غائب ہوتے ہی نہ آسمان کا احساس رہا نہ زمین کا۔ بس ہر طرف سفید روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں اس دریائے نور میں کبھی ڈوبتی تھی کبھی اچھلتی تھی۔ پھر سفید روشنی زرد روشنی میں تبدیل ہو گئی۔ ایک ویران اور سنسان سا میدان نظر آیا۔ عالم مراقبہ میں دو مرتبہ اسی کیفیت سے دوچار ہوئی۔ از راہ کرم ان تمام کیفیات کی توجیہہ سے مطلع فرمائیں۔ یہ ضرور بتائیں کہ جب شعلہ نور انگوٹھے سے باہر نکلتا ہے تو کھٹ کی آواز کیوں آتی ہے۔ دوسری بات خوشبوؤں کی ہے مجھے جو خوشبوئیں محسوس ہوتی ہیں۔ وہ کہاں سے آتی ہیں؟

دل سے یا گلستاں سے آتی ہے
ان کی خوشبو کہاں سے آتی ہے

رات کو جب مشق تنفس نور اور مراقبے سے فارغ ہو کر آتی ہوں۔ تو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ "عطریات" میں غسل کر کے آئی ہوں۔ یہ سمجھو کہ خوشبو مجھے ہی نہیں، لطف یہ ہے کہ دوسروں کو بھی ان خوشبوؤں کا بھی احساس ہوتا ہے۔ وہ بھی اس شمیم جاں فزا

سے لطف اندوز ہوتے ہیں سونے سے قبل جو مراقبہ کرتی ہوں کہ شب میں بزرگانِ دین کے مزار و مقابر کی زیارت سے شرف یاب ہوں مراقبے میں سب سے پہلے اعلیٰ حضرت بابا عبداللہ غازی رحمتہ اللہ علیہ کے مزارِ پُرانوار پر حاضر ہوتی ہوں۔ مراقبے کے وقت پورا کمرہ خوشبوؤں سے مہکنے لگتا ہے۔"

رئیس صاحب! یہ خوشبوئیں کہاں سے آتی ہیں؟

خالدہ! یہ خوشبوئیں اس عالم سے آتی ہیں۔ جہاں ہمیں اور تمہیں آخر کار جانا ہے۔ عالمِ مثال کے فلسفے کے معتقدین کا دعویٰ ہے کہ اس دنیائے سنگ و خشت میں جتنی اشیا ہیں۔ (جاندار اور بے جان) ان سب کی اصل عالمِ مثال میں موجود ہے۔ گویا ہم نقلی دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اصلی دنیا وہ ہے۔ جو قبر کے پار واقع ہے اشیا درحقیقت امثال ہیں آئیے ہم اس بات کو بھی مثال کے ہی ذریعہ سمجھائیں۔ آپ نے دنیا میں بہت سے حسین چہرے دیکھے ہوں گے لیکن حسن کو کبھی نہیں دیکھا۔ بہت سے نیک لوگ نظر آئے ہوں گے "نیکی کبھی نظر آئی ہو گی۔ غور کیجئے۔ معاشرے میں کتنے عادل لوگ پائے جاتے ہیں۔ لیکن عدل کو کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے ساری عمر مشاعروں میں بسر کی ہے اور ہزاروں لاکھوں شعر بھی پڑھے ہیں۔ لیکن شعر و شاعر کے بنیادی تصور سے کبھی دوچار نہیں ہوا۔ (درحقیقت ہم ان آنکھوں سے خالص، بے میل اور نری کھری حقیقت کا مشاہدہ کبھی نہیں کر سکتے۔ صرف حقیقت کو مختلف شکلوں میں رونما ہوتے دیکھ سکتے اور دیکھتے ہیں۔ عالمِ مثال کلیات و تجربات کا عالم ہے دنیا کی تمام اشیا اپنی اصل حقیقت کے ساتھ عالمِ مثال میں موجود ہیں۔ ان حقائق کے پرتو ہمیں اس دنیا میں نظر آتے ہیں خالدہ رفعت اور شں اقبال کے تجربات و مشاہدات آپ کی نظر سے گزرے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ شں قبال کو مراقبہ نور میں شدید گرمی احساس ہوتا ہے۔ اور خالدہ رفعت کو گرمی کے بعد برفانی سردی کا۔ کیا یہ تجربات متضاد ہیں۔ بظاہر ایسا ہی لگتا ہے۔ لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ ان

تجربوں میں کوئی تضاد نہیں ہے گرمی اور سردی کے تصورات نفس انسانی کے اندر پوشیدہ ہیں۔ جو تصور غالب آجائے گا اعصاب ویسی ہی کیفیت محسوس کرنے لگیں گے ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہپناٹزم کے معمول پر تنویمی نیند طاری کرنے کے بعد جب اسے تلقین کی جاتی ہے کہ اسکا جسم شدت سے گرم ہو رہا ہے وہ بخار سے پھنک رہا ہے تو اسکا جسم جلنے لگتا ہے اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسکے خون میں چنگاریاں دوڑ رہی ہیں۔ اور جب اسے یہ ترغیب (سجشن) دی جاتی ہے کہ اسپر جاڑا چڑھ گیا ہے۔ تو وہ تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔ تنویم کے عملیات میں یہ تجربہ عام ہے۔ مراقبہ بھی ایک قسم کی "خود تنویمی" (سیلف ہپناسز) ہی ہے مراقبے میں انسانی شعور کی سطح بلند ہو جاتی ہے اور وہ عالم آب و گل سے پرواز کر کے عالم مثال میں پہونچتا ہے خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ جو پیدائشی طور پر "روحیت پسند" ہوتے ہیں ان کیفیتوں کو بڑی خوبی سے محسوس کرتے ہیں۔

کشف کی صلاحیت

خ۔م۔ اسمٰعیل (سکھر) رقمطراز ہیں کہ

میں ایک اعلیٰ سرکاری افسر کا بیٹا ہوں۔ نیم دینی نیم دنیوی فضا میں پلا بڑھا اپنے والد کا تیسرا اور چہیتا بیٹا ہوں۔ ایک شدید جذباتی صدمے سے دوچار ہوں۔ ہر شب میں عجیب و غریب دورہ پڑا۔ محسوس کیا کہ میں خلاؤں میں اڑ رہا ہوں۔ گھر والے کہتے ہیں کہ اس حالت دورہ میں تم مجذوبوں کی طرح بڑ ہانک رہے تھے آہستہ آہستہ یہ دورے معمول بنتے چلے گئے۔ اور میں واقعی مجذوبوں کی طرح عجیب عجیب باتیں کرتا رہا گھر والے واقعی مجھے ولی سمجھنے لگے۔ اور جب مجھ پر یہ دماغی دورہ پڑتا تو لوگ میرے گرد و پیش جمع ہو جاتے اور مجھ سے دور دراز کی خبریں اور مستقبل کے حالات دریافت کرتے اور میں ان کے صحیح جواب دیتا اس وقت مجھے بالکل ہوش نہیں ہوتا تھا۔ بطور مثال ایک واقعہ کا ذکر کر دوں۔ امی

جان نے مجھ سے رشتے کی بہن کے بارے میں پوچھا جو شاید کچھ بیمار تھیں۔ چند لمحہ توقف کے بعد میں نے کہا کہ وہ خیریت سے ہیں۔ یہ بھی بتایا کہ اسوقت وہ دال اور روٹی کھا رہی ہیں۔ خط لکھ کر اس بات کی تصدیق کی گئی تو انھوں نے حسب ذیل بیان دیا کہ

یہ بات واقعی درست ہے۔ میں واقعی اس روز دروازے میں بیٹھی دال کھا رہی تھی کہ ایک دم دھڑ سے دروازہ کھل گیا۔ میں حیران ہوں کہ خود بخود یہ دروازہ کس طرح کھل گیا ہے؟ اعلیٰ حضرت! کیا آپ اس واقعے کی کوئی توجیہہ کر سکتے ہیں!

ایک مرتبہ پھر عرض کردوں کہ جسم خاکی میں نہ یہ قوت ہے۔ نہ یہ صلاحیت کہ وہ مستقبل کے دریچے کھول کر پیش آنے والے واقعات کی جھلک دیکھ سکے۔ ہمارے جسمانی حواس خمسہ کا دائرہ ادراک بے حد محدود ہے البتہ جسم مثالی کے حواس کائنات گیر اور زمان و مکان کی حدود سے کہیں بلند و بالا ہیں۔ خ م اسمٰعیل نے کشف کے جن واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ مثالی جسم کی کارکردگی ہے۔ جس چیز کو چھٹی حس کہتے ہیں اسکا تعلق عالم مثال سے ہے۔ سید زوار حسین شاہ (پی اے ایف بیس) کا بیان بھی ذیل میں ملاحظ ہو۔

مشقیں کرتے ہوئے جب بائیس روز گزر گئے۔ تو ایک روز (۱۳ اگست ۴۲ء) محسوس ہوا کہ دماغ میں سیٹیاں بج رہی ہیں۔ اسکے بعد دماغ میں تیز روشنی پھیل گئی ایسی آواز آئی۔ جیسے جیٹ طیارے کا انجن اسٹارٹ ہوگیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد شور میں کمی ہوگئی البتہ چمک میں اضافہ ہوگیا۔ ایسا لگا کہ میں ہوا میں پرواز کر رہا ہوں۔ پھر میں نے اپنے آپ کو لائلپور میں اپنے بھائیوں کے درمیان پایا۔ رات کا وقت تھا وہ سب جاگ رہے تھے۔ میں گھر سے باہر ہوا میں اچھلنے کودنے لگا۔ ہمسائے کی ایک عورت نے پوچھا کہ زوار! یہ تم کیا کر رہے ہو۔ یاد نہیں میں نے کیا جواب دیا۔ البتہ اب میں اپنے جسم میں تھا۔ یقین کیجیے کہ اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ سوچا یہ تھا کہ روزانہ یہی واقعہ پیش آیا کرے گا۔ لیکن چند روز تک کوشش کے باوجود میں اس پرواز لطیف سے محروم رہا۔ ایک پیر صاحب کی خدمت میں حاضری

دی نہ بھی کچھ نہ بتا سکے۔ ٹھیک پندرہ روز کے بعد رات کو مشق کرنے کے بعد جب میں بستر پر لیٹا تو سر کی کھوپڑی کے اندر سیٹیاں بجنے لگیں۔ رفتہ رفتہ سیٹی کی آواز تیز ہو گئی۔ پھر روشنی کا جھماکہ ہوا۔ اور میں غافل ہو گیا۔

یہ کرشمے کتنے عجیب ہیں اور یہ واقعہ کس درجہ حیرت انگیز؟ ان مشاہدات و تجربات سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ہم میں کتنی قوتیں، کتنی صلاحیتیں اور کیسے کیسے امکانات پائے جاتے ہیں۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ابھی انسان نے اپنی قوت مخفی کا دسواں حصہ بھی استعمال نہیں کیا۔ اب تک ہمارا انحصار گوشت پوست کے جسم پر رہا ہے۔ اہل کشف و عرفان سے قطع نظر دنیا نہ کبھی عالم مثال کی قائل ہے نہ مثالی جسم کی! لیکن آہستہ آہستہ علم و تحقیق کی دنیا، ان اسرار و رموز کا انکشاف کرتی چلی جا رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ صدی ختم نہ ہونے پائے گی۔ کہ ہم ان خارق العادات کا معمہ حل کر لیں گے۔ جنہیں غلطی سے مذہب یا روحانیت کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ "حیات" کی بنیادی خصوصیات اور زندگی کی اپنی صلاحیتیں ہیں اور یکے بعد دیگرے حیات ان کا انکشاف کرتی چلی جا رہی ہے۔ ابتداً میں زندگی نے اپنے تحفظ اور ارتقا کے لئے ان تمام وسائل سے کام لیا۔ لیکن جوں جوں انسان قوائے فطرت کو مسخر کرتا چلا گیا۔ ان خارق العادات وسائل سے کام لینے کی ضرورت کم سے کم ہوتی چلی گئی۔ تا آنکہ زندگی اپنے موجودہ درجۂ ارتقا پر پہنچی۔ مثلاً آج سے چند لاکھ سال پیشتر ٹیلی پیتھی یعنی دور دراز فاصلوں پر انتقال خیال کی صلاحیت زندہ رہنے کے لئے ناگزیر تھی۔ مگر جوں جوں خبر رسانی کے وسائل ترقی کرتے چلے گئے۔ ٹیلی پیتھی کی ضرورت ختم ہو گئی۔ جب تک زبان ایجاد نہ ہوئی تھی۔ صرف ٹیلی پیتھی کے ذریعہ ہی دو دماغوں کے درمیان رابطہ قائم ہو سکتا تھا اور ہوتا تھا لیکن زبان کی ایجاد کے بعد یہ "دماغی رابطہ" (جسے اشراق یا ٹیلی پیتھی کہتے ہیں) زندگی کے لئے ناگزیر نہ رہا۔ تاہم اب بھی وحشی اور غیر متمدن صحرا نشین قبیلوں کے بعض افراد میں اس قسم کے خارق العادات صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ جہاں تک حیوانوں کا تعلق ہے تو

بہت سے مشاہدات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ غیر ذی عقل جانداروں میں یہ تمام قوتیں کارفرما ہیں۔ حیوان پوری طرح اپنے جسمِ مثالی سے کام لیتے ہیں۔ البتہ انسان کی ترقی یافتہ عقل اِن وسائل سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ شعور کی سرگرمیاں جتنی کم ہوں گی تحت الشعور اور لاشعور کی فعالیت میں اتنا ہی اضافہ ہو جائے گا۔ جسمِ مثالی کا براہِ راست واسطہ لاشعور ہی سے ہے۔

آئیے دیکھیں کہ اس سلسلہ میں ہمارے قدیم علما اور اہلِ عرفان نے کیا کہا ہے۔ جو حضرات کشف اور مشاہدے کی دولت سے مالامال اور صلاحیتوں سے مسلح ہیں انھوں نے عالمِ مثال کے بارے میں جو انکشافات کئے ہیں اِن کا خلاصہ یہ ہے۔

تین دُنیائیں

عالم دُو ہیں۔ (۱) عالمِ امر (۲) عالمِ خلق، عالمِ خلق کو دُو درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ تقسیم نظری ہے اور صرف آسانی کی غرض سے عالم کی درجہ بندی کی گئی ہے، عالمِ مثال اور عالمِ مادّی۔ تو اسطرح تین دنیائیں ہوئیں۔ (۱) عالمِ امر (۲) عالمِ مثال اور (۳) عالمِ مادّی ان تینوں دنیاؤں کے مجموعے کا نام کائنات ہے۔ عالمِ مادّی، یہی اینٹ پتھر کی دُنیا جس میں ہم پیدا ہوتے اور مرجاتے ہیں یہ ٹھوس مادے کی دنیا ہے اِس دنیا کے دوش بدوش عالمِ مثال اور عالمِ امر واقع ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عالمِ مثال اور عالمِ امر کہاں واقع ہے؟ تو اس کہاں کا جواب دینا میرے امکان سے باہر ہے۔ عالمِ مثال اور عالمِ امر، کرۂ ہوا اور کرۂ حرارت کی طرح ہمارے ساتھ ہے۔ ہم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ہم اسے چھو نہیں سکتے۔ سونگھ نہیں سکتے چکھ نہیں سکتے۔ البتہ سمجھ سکتے ہیں۔ عالمِ مثال اور عالمِ امر مثال فضا میں اسطرح جگہ نہیں گھیرتا جس طرح عالمِ مادی جگہ گھیرتا ہے، عالمِ مثال و عالمِ امر، خوشبو، روشنی اور حسن کی دنیاؤں کی طرح ہر جگہ موجود ہیں۔ حواسِ خمسہ کے ذریعہ کوئی شخص عالمِ مثال اور عالمِ مادّی

تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا عرف ارتکاز توجہ اور مراقبہ کے ذریعہ ہم عالم غیب (اور عالم مثال اور عالم امر عالم غیب ہی تو ہیں) میں دریچہ وا کرکے اسکا نظارہ کرسکتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جسطرح ہم عالم غیب کی مخلوق کی ہم سائیگی سے بے خبر ہیں اسی طرح عالم غیب کے رہنے والے بھی۔ ہمارے وجود کا احساس نہیں کرسکتے۔ جنات بھی عالم مثال ہی کی مخلوق ہیں۔ حال ہی میں جنات کے بارے میں نوائے وقت لاہور کے رپورٹر نے ایک عجیب و غریب خبر شائع کی ہے۔ ملتان کے قریب ایک بستی (دھوپ سڑی) کے کسی مکان میں حیرت انگیز واقعات پیش آنے لگے اور اس ہنگامے میں دریام نامی اپنی جان گنوا بیٹھا اب نوائے وقت کے نامہ نگار کی رپورٹ سنئے۔

مشہور عامل مخدوم سید مقصود علی بخاری نے لاہور سے ملتان پہنچ "دریام" (نامی مقتول) کے خاندان کی ہلاکت کے ذمہ دار جنوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ مخدوم سید مقصود علی بخاری نے یہاں پہنچ کر بستی دھوپ سڑی کے امام مسجد مولوی عبدالعزیز سے رابطہ پیدا کیا۔ انھوں نے مرحوم دریام کے عزیزہ بیوہ مائی پٹھانی اور اسکی بہن شرما بائی کو بلایا بیسیوں افراد اس موقع پر موجود تھے مخدوم نے شرما بائی پر عمل شروع کیا۔ یاد رہے کہ اسی شرما بائی کو رسم قل کے دوران کسی خوبرو عورت نے گلے لگا لیا تھا۔ اور شرما بائی نے اس موقع پر بھی ایسی حرکات کی تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ وہ جنات کے زیر اثر ہے مخدوم صاحب کی عمل خوانی کے دس منٹ بعد شرما بائی نے جھومنا شروع کیا اسکے سر کے بال کھل گئے۔ اور عامل سید مقصود علی بخاری سے حسب ذیل گفتگو شروع ہوئی۔

تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟

شرما بائی (جو جنات کے زیر اثر ہے)، ہم جہانیاں کے رہنے والے ہیں۔ (جہانیاں دھوپ سڑی سے بائیس میل دور ہے۔ اور کچے راستے کے ذریعہ جہانیاں سے ملتی ہے جو ضلع ملتان کی مشہور منڈی ہے۔)

عامل۔ وریام کے بیٹوں اور خود اس پر یہ مصیبت کیوں پڑی؟

جواب:۔ بستی دھوپ سڑی کے جنات کا بسیرا وریام کے مکان میں ہے۔ تین سال قبل ان جنات نے جہانیاں میں رہنے والے جنوں کی تین خوبصورت لڑکیوں کو اغوا کر کے اس مکان میں رکھا تھا۔ اور انھیں ایک ایسی نادیدہ انجان اور غیر محسوس دنیا میں بند کر دیا تھا کہ خود جہانیاں کے جنات (جن کی لڑکیاں اغوا ہوئی تھیں) اس دنیا کا پتہ نہ چلا سکے۔ آخر سخت جد وجہد کے بعد جہانیاں کے جنات نے اس نہ دکھائی دینے اور نہ محسوس ہونے والی دنیا کا پتہ چلا لیا۔ اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ تینوں اغوا شدہ جن لڑکیاں اسی زندانِ نادیدہ میں محبوس ہیں۔ آخر جہانیاں کے مشتعل جنات نے بدھ کی رات میں دھوپ سڑی کے اس مکان پر حملہ کیا اور دونوں گروہوں میں خونریز لڑائی چھڑ گئی۔ بدقسمتی سے وریام کا لڑکا ان نادیدہ لشکروں کی زد میں آکر ہلاک ہو گیا۔ سخت و شدید جنگ کے بعد دھوپ سڑی کے جنات نے جہانیاں کے حملہ آور جنوں کو مار بھگایا۔ اور جہانیاں کے جن ایک سال تک دوبارہ حملے کی جرأت نہ کر سکے۔ ایک سال میں اپنی طاقت مجتمع کر کے پھر جہانیاں کے جنات نے اغوا شدہ لڑکیوں کی آزادی کے لئے دھوپ سڑی پر حملہ کیا۔ یہ بھی بدھ کی رات تھی۔[۵] پھر ویسی ہی تباہ کن لڑائی ہوئی اور ایک مرتبہ پھر دھوپ سڑی کے جنات نے غنیم کو شکست دیدی۔ اس مقابلہ میں وریام کا دوسرا لڑکا کام آگیا۔ دس پندرہ روز کے بعد پھر شب چہار شنبہ (بدھ کی رات) میں جہانیاں کے جن بستی پر حملہ آور ہوتے اور پھر وہی نتیجہ نکلا یعنی حملہ کرنے والوں نے منہ کی کھائی۔ اور دھوپ سڑی کا لشکر جن اپنے مقام پر قائم رہا۔ جب خونریزی حد سے گزر گئی۔ تو جہانیاں منڈی اور دھوپ سڑی بستی کے بزرگ جنوں نے مداخلت کر کے دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرا دی۔ اور طے پایا کہ لڑکیوں کو اغوا کرنے والے جنات اغوا شدہ لڑکیوں کے والدین کو باضابطہ پیغام دیں گے۔ اور شادیاں کرا دی جائیں گی۔

اس پوری داستان میں جس کی تصدیق کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں، عامل

---

۵ کیا جنات بدھ کی رات میں حملہ کیا کرتے ہیں؟ کیا یہ وقت ان کے لئے مبارک ہوتا ہے۔

کی بحث کے لئے صرف ایک نکتہ مفید ہے۔ اور میں اس کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ دھوپ سڑی کے جنات نے جہانیاں کی جن لڑکیوں کو ایک ایسی نادیدہ دنیا میں مقید کر دیا تھا جس کا پتہ خود جنات نہ چلا سکے ظاہر ہے کہ وہ نادیدہ دنیا عالم مثال کا کوئی طبقہ ہو سکتی ہے (کیونکہ جنات اور فرشتے عالم مثال کی مخلوق ہیں۔) یہ طبقہ اس درجہ لطیف اور نازک تھا کہ خود جنات کے لئے اس کا ادراک ممکن نہ تھا۔ عالم مثال بھی طبقہ در طبقہ ہے۔ جیسے یہ مادی عالم جو زمین حرارت اور ہوا کے کروں پر مشتمل ہے۔ عالم مثال ایک ایسے لطیف مادے سے مرکب ہے جس کی مثال اس دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اہل معرفت کا بیان ہے کہ یہ کائنات کروی یعنی کرے کی شکل کی ہے اس کا مرکز عرش اعظم ہے۔ اور اس عرش کا مرکز ذات مطلق یعنی قدرت خداوندی ہے۔ ذات مطلق کے گرد تجلیات کا عالم پایا جاتا ہے عرش کے سروں سے صفاتی تجلیات شروع ہوتی ہیں ذاتی اور صفاتی تجلیات کی حقیقت کیا ہے یہ تمام حقیقتیں نہ جانی نہیں جا سکتیں صرف مانی جا سکتی ہیں۔ نہ ہم ذات مطلق کا ادراک کر سکتے ہیں۔ نہ ذاتی تجلیات کا نہ صفات کا نہ صفاتی تجلیات کا، نہ عرش اعظم کا۔ نہ عالم امر کا نہ عالم مثال کا۔ فی الحال ہماری رسائی اسی دنیا تک ہے۔ البتہ حقیقت شناس حضرات اس علمی بیان سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔

عالم ہو

عالم مثال کے پہلے طبقے کو "عالم ہو" کہا جاتا ہے۔

جہاں جو وجد میں آتا ہے نعرۂ ہو سے
عجب نہیں کہ جہاں ہو بس ایک نعرۂ ہو

عالم ہو کے بعد عالم ہاہوت، پھر عالم لاہوت، پھر عالم جبروت اور عالم ملکوت واقع ہیں۔ ان دنیاؤں کو جنوں کی دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ناسوت وہ

دنیائیں ہیں، جنہیں جہنم کے طبقات کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ ان تمام عالموں میں لطیف روحیں رہتی ہیں۔ میں اس بحث کو نا تمام چھوڑ کر آگے بڑھتا ہوں۔ بحث کو نا تمام چھوڑنے کا سبب ظاہر ہے۔ جن دنیاؤں کے بارے میں مجھے ذاتی معلومات حاصل نہیں ان عوالم کے متعلق کچھ کہنا خود نمائی، جہالت اور شیخی خوری ہے۔ انسان کا صرف ایک ہی وجود نہیں صدہا وجود ہیں۔ بے شمار اجسام (یعنی ہمزاد) ہیں گو عام طور پر صرف ایک ہی جسم مثالی سے واسطہ پڑتا ہے۔ خالدہ رفعت لکھتی ہیں۔

مثنیٰ اور دعوت

اس وقت صرف ایک واقعے کا ذکر کرنا چاہتی ہوں۔ یہ غالباً ۲۰ اگست ۵۴ء کا واقعہ ہے۔ کسی عزیز کے یہاں ایک تقریب منعقد ہوئی تھی۔ مدعو ہم سب کو کیا گیا ہے۔ لیکن والدہ کی علالت اور خود میری ناسازیٔ طبع کے سبب کسی کا ارادہ وہاں جانے کا نہ تھا۔ رات کو تقریباً ۸ بجے ان عزیز کا فون آیا کہ ہم تمہیں لینے آرہے ہیں میں نے ازراہِ مذاق کہہ دیا۔ آپ زحمت نہ کریں میں خود تیار ہوں۔ بس آنے ہی والی ہوں بات مذاق کی تھی مگر انھوں نے یقین کر لیا۔ اور مجھے لینے کے لئے سواری نہ بھیجی دوسرے روز ولیمہ تھا۔ ولیمہ میں والد صاحب اور بھائیوں نے شرکت کی ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ان عزیز کو خاص طور پر اور دوسرے عزیزوں کو مجھ سے شکایت ہے کہ میں نے دعوت میں بالکل اجنبیوں کی طرح شرکت کی۔ اور مہمانوں سے سلام دعا تک سے احتراز کیا کسی نے بات کرنے کی کوشش کی تو اس میز سے ہٹ کر دوسری میز پر چلی گئی۔ یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی اس نے بھی کہ انھوں نے میرے لباس کا جو رنگ بتایا تھا۔ میں اس روز اس رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ حیرت کہ میں گھر پر موجود ہوں۔ اور میرا مثنیٰ دعوت میں شریک ہے۔ والد نے بھی کہا کہ خالدہ گھر پر موجود تھی لیکن ان عزیز کو یقین نہ آیا

کہ کیونکہ سب لوگ مجھے بچشم خود دیکھ چکے تھے۔ خواتین کو وہمی سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ ایک خواتین اور تین مرد اس بات پر مصر ہیں کہ میں نے شادی میں شرکت کی اور ان لوگوں کو سلام کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ میں خود حیران ہوں کہ یہ کیا ہوا؟ اور کیسے ہوا؟ ہوا بھی یا محض ان لوگوں کا وہم ہے۔ آپ اس معاملہ پر روشنی ڈالیں نوازش ہوگی کیونکہ اس طرح کے چھوٹے موٹے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ خالدہ رفعت کے ساتھ کیا گزری؟ آپ نے غور کیا۔ خالدہ دعوت میں شریک نہیں ہوئیں۔ البتہ ان کا مثنیٰ شریکِ دعوت ہوا۔ یہ چیز نادر اور انوکھی تو ہے حیرت انگیز نہیں۔

ارواح مجرّدہ

ارواح مجردہ کے سلسلے میں جناب خواجہ عبدالحکیم انصاری توحید اپنی کتاب "تعمیر ملت" میں لکھتے ہیں کہ۔

لبعینہٖ یہی حال ارواح مجرّدہ کا ہے۔ ہر روح ایک ایٹم کی طرح روحِ بسیط (یعنی وہ روح جو پوری کائنات میں جاری وساری ہے۔) میں موجود ہے نورِ مطلق جب کسی روح کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنی نظرِ حیات افروز اس پر ڈالتا ہے جس کے اثر سے یہ روحانی ایٹم لمبا ہو کر بہ شکل شعاع عالم اسفل (نچلی دنیا) کی طرف نزول کرنے لگتا ہے لیکن اس روحانی ایٹم کا سرا روحِ بسیط میں داخل ہوتا ہے روح بقدرِ استعداد عقل کو جذب کرتی ہوئی نفسِ بسیط میں داخل ہوتی ہے۔

اور نفس سے اسکا جو حصہ مقدر ہوتا ہے

حاصل کر لیتی ہے مطلب یہ کہ اس منزل میں روح مجرد میں نفس پیدا ہو جاتا ہے اب یہ عدم بسیط میں پہونچتی ہے۔ کیونکہ قانون آفرینش کے مطابق کوئی ہستی اسوقت تک مشخص نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہ اپنی ضد کے مقابل نہ آجائے۔ اس لئے عدم میں پہونچ کے

ہی اسکو اپنے وجود یعنی ہو جانے کا گویا عرفان ہو جاتا ہے۔ گو یہ عرفان بہت ضعیف ہوتا ہے اس کو انا کہتے ہیں۔ عدم کے آخری کنارے پر عالم امر ختم ہوتا ہے۔ گویا اب تک اِن کا وجود محض "علمِ الٰہی" میں تھا۔ پھر یہ شعاع "عالم ہو" میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر روح میں لبدائے معاد والف سے ی تک اسکا پورا مقدر اسی طرح نہاں ہوتا ہے۔ جس طرح بڑ کے رائی کے برابر بیج میں اس سے پیدا ہونے والے تناور درخت کی پوری زندگی!! اب لا محالہ یہ روح یا تو دوزخی ہو گی یا جنتی! اگر دوزخی ہے تو عالم ناسوت کے کسی طبقے میں اس کے لئے کوئی خاص مقام مقرر ہوتا ہے۔ جہاں مادی سفر کے بعد اکو قیامت تک ٹھہرنا ہے اگر جنتی ہے تو پھر جنت کے عوالم میں سے کسی عالم اور طبقے میں کوئی خاص جنت اسکے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ اس جنت کو اس روح کا مقام محمود کہتے ہیں! الغرض عالم امر کے ختم ہونے پر یہ روح عالم مثال کے بہت سے طبقوں میں گزرتی ہوئی اپنے مقام محمود (یا دوزخی ہو تو عالم ناسوت میں اپنے مقام مقررہ) تک پہونچ جاتی ہے۔ یہاں وہ قدرے قیام کرتی ہے۔ تاکہ اس مقام سے روشناس ہو جائے درحقیقت اس مقام پر اسکو وہ وجود عطا ہوتا ہے۔ جسکو بجا طور پر روحانی وجود کہا جاتا ہے۔ اب مقام محمود سے روانہ ہو کر باقی دنیاؤں کو طے کرتی اور عالم ناسوت سے گزرتی ہوئی یہ "اثیر" (ایتھر)، میں داخل ہوتی ہے۔ جو مادے کی سب سے لطیف اور آخری حد ہے۔ اثیر سے یہ پانچوں حواس اور دوسری مادی خاصیتوں اور قوتوں کو بقدر استعداد اخذ کرتی ہوئی کسی نظام شمسی کے سورج میں جاتی ہے اور اس سے جان یا روح حیوانی کی حرارت حاصل کر کے اس کرے میں پہنچ جاتی ہے۔ جہاں اسکو پیدا ہونا ہے۔ اب وہ روح انتظام قدرت کے تحت کسی کھانے پینے کی چیز مثلاً پھل یا غلے وغیرہ داخل کی جاتی ہے۔ اور وہ چیز اس شخص کو کھلائی جاتی ہے۔ جو پیدا ہونے والے شخص کا باپ بننے والا ہوتا ہے۔ صلب پدر سے یہ روح رحم مادر میں منتقل ہوتی ہے۔ نو مہینے تک رحم مادر میں اسکی پرورش ہوتی ہے۔ اسکے بعد وہ روح مجرد مادی جسم

اختیار کر کے اس دنیائے آب و گل میں قدم رکھتی ہے۔ اب جتنی اور جیسی زندگی مقدر ہو۔ دنیا میں بسر کر کے عالمِ مثال میں اپنے مقام معاد یا مقام محمود کو واپس چلی جاتی ہے اور یوم الحساب تک وہیں مقیم رہتی ہے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ "روح بسیط" میں یہ شعاع اپنے پہلے بہرے سے چل کر درجہ بدرجہ لطیف سے کثیف تر ہوتی ہوئی نطفے تک پہونچتی ہے۔ نطفہ کیا ہے؟ وہ جرثومہ یا زندہ مادی جسیمہ جو خردبین سے بھی بمشکل نظر آتا ہے۔ یہی جرثومہ مادہ کے پیٹ میں اپنی غذا حاصل کر کے درجہ بدرجہ کثیف ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ مکمل انسان بن کر شکمِ مادر سے باہر نکل آتا ہے۔ یہ ہے صوفیا کے نقطۂ نظر سے تخلیق کا تدریجی عمل! یعنی ایک روح کس طرح عالمِ مجردات (جہاں جسم اور جسمانیات کا تصور بھی ممکن نہیں۔ اسے جدا ہو کر عالمِ امر اور عالمِ مثال (یعنی عقل اور نفس کی دنیاؤں)، سے گزر کر جہانِ مادی تک پہنچتی ہے۔ اور پھر یہ کس طرح یہ روح کسی نطفے میں منتقل ہو کر لباسِ جسمانی پہنتی ہیں۔ اور عالمِ ارواح کا باشندہ عالمِ اجسام کی شہریت اختیار کرتا ہے مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے روح کی کیفیت ہجر و فراق (کہ وہ عالمِ ارواح یا ذاتِ مطلق سے منقطع ہو کر جسم کے زندانِ آب و گل میں اسیر ہو گئی)، کو عجب پُر سوز پیرائے میں بیان کیا ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

بانسری کی فریاد سنو! وہ کیا کہہ رہی ہے کس کس طرح جدائی کی شکایت کر رہی ہے۔ کہتی ہے کہ جب سے مجھے نیستاں سے قطع کیا گیا ہے تو یہ حال ہو گیا ہے کہ میر

نالوں سے مرد و عورت روتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ فراق کے غم سے میرا سینہ پارہ پارہ ہو جائے۔ تاکہ میں اپنے ذوق و شوق کی شرح کر سکوں مولانا رُوم کے ان اشعار میں بانسری استعارہ ہے روح کا! جسے نیستاں یعنی عالم ارواح سے جُدا کر کے گوشت پوست کے قید خانے میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ یہ ہوا روح کا جسمِ مثالی میں نزول اور جسمِ خاکی میں حلول! اب یہ دیکھیں کہ موت کے وقت جسمِ مثالی جسمِ خاکی سے کس طرح جدا ہوتا ہے؟

خواجہ عبدالحکیم انصاری توحیدی نے اپنے رنگِ خاص میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

عالمِ اعراف

یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ ہمارے عالم مادی سے ملا ہوا عالم ناسوت یا دوزخوں کا عالم ہے۔ اب سنیئے کہ اس عالم میں ہماری تحقیق کے مطابق بہتر ۷۲ طبقات ہیں جن سے شروع کے چند طبقات میں بے برگ و گیاہ ریگستان اور بیابان جلے ہوئے خشک پہاڑ، دہشت ناک جنگل کھولتے ہوئے پانی کے چشمے اور جھیلیں، آتش فشاں کوہسار اور آگ سے بھری وادیاں ہیں پینے کے پانی کا کہیں نام و نشان نہیں اور ملتا بھی ہے تو گرم اور کڑوا پانی اور درختوں میں سوائے زقوم، ناگ پھنی اور خاردار جھاڑیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اسکے بعد چند طبقات میں کسی قدر ٹھنڈا پانی سرسبزی اور کچھ بہتر قسم کے جنگل اور آبادیاں ہیں۔ اسکے بعد ہر طبقہ پہلے طبقے سے بہتر ہوتا چلا جائے گا۔ حتیٰ کہ بہترواں طبقہ سرسبزی و شادابی میں پہلے تمام طبقوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اور عالم ملکوت کے پہلے طبقے کی جنتوں سے کچھ ہی کم ہے۔ اسی کو اعراف کہتے ہیں۔ اب شیخ مصلح الدین سعدی سے اعراف کی تعریف سنیئے۔

حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

جنت کی حوروں کے لئے " اعراف " کی دنیا دوزخ کی طرح ہولناک ہے۔ مگر دوزخیوں سے پوچھیں تو وہ کہیں گے کہ اعراف بہشت سے کم نہیں۔ گویا اعراف ایک ایسی دنیا ہے۔ جو دوزخ کے بہتر ویں (آخری) طبقے اور بہشت کے پہلے طبقے کے درمیان واقع ہے۔ خواجہ عبدالحکیم انصاری لکھتے ہیں کہ اس کے آگے ایک دیوار ہے جیساکہ سورۃ الحدید آیت ۱۳ میں ارشاد ہوا ہے۔ اس دیوار کے بعد جنتوں کے عوالم شروع ہوتے ہیں۔ جن میں پہلا عالمِ ملکوت ہے۔ اعراف اور جنت کے پہلے طبقے میں یہ فرق ہے۔ کہ جنت میں کھانا پینا اور عیش و عشرت کے لوازم اعراف سے بہت بہتر ہیں۔ اور بے محنت و مشقت میسر آتے ہیں۔ اعراف میں سب چیزیں گھٹیا درجہ کی ہیں۔ اور محنت و مشقت سے میسر آتی ہیں دوسرا فرق یہ ہے کہ اعراف کے لوگ دوسروں کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھ کر جلتے ہیں۔ اور رنج کرتے ہیں۔ یہ کرب ہی ان کے لئے عذاب دوزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے جنت میں ہر ایک شخص اپنی حالت پر خوش اور اپنے حال میں مگن ہے۔ یہاں پھر شیخ سعدیؒ رالله ان کی قبر کو جنتوں سے بھر دے ہے اختیار یاد آگئے۔ فرماتے ہیں۔

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

بہشت وہ جگہ ہے۔ جہاں کوئی آزار و تکلیف نہیں ہوتی اور ایک دوسرے سے سروکار نہیں ہوتا یعنی ہر شخص نہ صرف اپنی حالت پر خوش رہتا ہے۔ بقول خواجہ انصاری صاحب دوسروں کو اپنے سے زیادہ اچھی حالت میں دیکھ کر اور بھی خوشنود ہوتا ہے اسی طرح جنت میں خوشی ہی خوشی ہے۔ رنج کا نام نہیں۔ اس بیان کو پڑھ کر بہت سے لوگ کہیں گے۔ کہ اگر یہی امر واقعہ ہے تو پھر مادی اور روحانی عالم میں فرق ہی کیا رہ گیا؟ جواب :

ہے کہ واقعی عالمِ مثال سارے کا سارا قطعاً رُوحانی ہے۔ ہرگز مادّی نہیں ہے لیکن وہاں ہمارا جسم بھی تو رُوحانی ہوگا۔ اور روحانی جسم کو روحانی عالم کی تمام کیفیات و کمیات مثلاً راحت، اذیت، سردی گرمی اور نرمی سختی وغیرہ بالکل اسی طرح محسوس ہوں گی جسطرح عالمِ مادی میں جسم مادی کو محسوس ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن و حدیث میں عذاب دوزخ اور وہاں کی تکالیف کا جو بیان ہے۔ (مثلاً آگ کھولتا ہوا پانی، لہو اور پیپ وغیرہ وغیرہ) وہ سب کا سب بے معنیٰ ہوتا۔ اسی طرح جنتوں کے بیان میں جو حور و قصور باغات، مالاکوت، مشروبات اور دیگر لذائذ و نعم کا ذکر ہے۔ وہ بھی کوئی معنیٰ نہ رکھتا۔ ہاں تو اعراف کے بعد جنتوں کے عالم شروع ہوتے ہیں۔ جن میں پہلا عالم ملکوت ہوتا ہے اس کے چھتیس طبقات ہیں[ؔ] جن میں سے ہر طبقہ پہلے اور پچھلے طبقے سے بہتر و لطیف تر ہوتا چلا گیا ہے۔ ملکوت کے بعد عالم جبروت اور اسکے بعد عالم لاہوت ہے۔ جبروت اور لاہوت دونوں طبقوں میں اٹھارہ طبقات ہیں۔ جن میں ہر طبقہ عمارت و امارت، وسعت و رفعت، سرسبزی و شادابی اور نزہت و لطافت میں اپنے پچھلے طبقے سے کہیں زیادہ بہتر و برتر ہے ان جنتوں میں جو محلات و قصور، باغات، نہریں چشمے پھل پھول، مالاکوت، مشروبات، حوریں اور غلمان ہیں اور جو کیف و سرور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تجلیات اور انوار دیدار سے ہوتا ہے۔ ان سب کا بیان بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔ جس کو شبہ ہو قرآن اور احادیث کی طرف رجوع کرے۔ یہاں تک عالمِ لاہوت کا ذکر ہوا۔ اب اگلے عوالم کا ذکر سنیئے۔ لیکن ایک مرتبہ پھر یاد دلانا ضروری ہے کہ ان عوالم میں سب سے بڑا فرق کثافت و لطافت کا ہے۔ عالم ناسوت کا پہلا طبقہ سب سے کثیف ہے اسکے بعد لطافتوں میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ عرش اور اسکے مرکزی نقطہ پر جہاں عین ذات کی حقیقت ہے۔ اس لطافت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ عالم لاہوت کے

ؔ یہ سارے بیانات خواجہ عبدالحکیم انصاری کے ہیں۔ اور ان کا ماخذ ان کا کشف ہے

بعد عالم ہاہوت واقع ہے۔ جس کے چودہ طبقے ہیں ہاہوت کا پہلا طبقہ لطافت میں اسقدر بڑھ گیا ہے۔ کہ وہاں کی جنتیں اور ان کے قصور، صاحب بصیرت روحوں کو بھی محض دھندے نقوش کی طرح نظر آتے ہیں۔ اگلے طبقات میں یہ نقوش اور بھی لطیف ہوتے ہوتے محض خیالی سے ہو کر رہ جاتے ہیں، اور چودھویں طبقے میں تو صور واشکال (صورتوں اور شکلوں) کا تخیل بھی غائب ہو جاتا ہے۔ اور عالم بے شکل وصورت باقی رہ جاتا ہے مولانا روم نے اس عالم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ

صورت از بے صورتی آمد بروں

باز شد انا الیہ راجعون

بے صورتی سے ایک صورت نمودار ہوئی اور پھر بے صورتی میں گم ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس عالم بے صورتی میں صرف ان اولیا اللہ کی روحیں رہتی ہیں جو عرفان میں درجہ کمال حاصل کر کے دنیا سے رخصت ہوتی ہیں۔ اسکے بعد عالم ہو ہے۔ اس کے بعد طبقات کا فرق متمیز نہیں ہوتا۔ پھر بھی ہر اگلا قدم پچھلے قدم سے زیادہ لطافت کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ ایک نور کا سا میدان ہے جہاں تجلیات الٰہی کے سوا اور کچھ بھی نہیں اور ان تجلیوں میں ہر قسم کی لذتیں اور کیفیتیں موجود ہیں۔ عالم ہو ان بزرگوں کی روحوں کا مسکن ہے۔ جنہوں نے قرآنی ہدایت "وتبتل الیہ تبتیلا" پر عمل کامل کیا اور حقیقی معنی میں دنیا کی ہر چیز سے قلبی تعلق منقطع کر کے صرف اللہ کے ہو گئے۔ دراصل جنتوں کے طبقات (ہشت بہشت) عالم لاہوت پر ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ عالم ہاہوت اور عالم ہو جنت کے طبقات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ طبقات جنت کی روح یا معنوی شکل ہیں سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں کہا گیا ہے کہ

دوزخ بہت ہی بری جگہ ہے۔ خواہ مستقلاً رہنے کے لئے ہو یا عارضی قیام کے لئے۔ پھر اسی رکوع کے آخر میں ارشاد ہوا کہ "جنت بہت ہی اچھی جگہ ہے۔ خواہ

شعاعِ رُوح

مندرجہ بالا بیانات سے آپ اتنا تو سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ انسان کی روح ایک شعاع کی طرح ہے۔ اِس شعاع کی چوٹی یعنی پہلا سِرا روح بسیط میں ہے۔ اور دوسرا سِرا انسان کے جسم میں! سورہ ہود میں ارشاد ہوتا ہے کہ کوئی جاندار ایسا نہیں، جس کو اللہ اسکی چوٹی سے پکڑے ہوئے نہ ہو۔" اِس چوٹی سے یہی روح کا پہلا سِرا مُراد ہے۔ اب ہم یہ بیان کرنے والے ہیں کہ اِس روح کے خواص کیا کیا ہیں۔ اور اِس جسم فانی سے نکلنے کے بعد یہ کس طرح سفر آخرت طے کرتی ہے۔ یہ مضمون بے حد اہم ہے۔ اور مشکل ہے اِس لئے آسانی کی خاطر ہم اِس شعاع کے پہلے سِرے کو الف (وہ سرا جو روح بسیط یا روح کل کے ساتھ جڑا ہوا ہے) اور دوسرے کو جیم کہیں گے (جو انسانی جسم میں پیوست ہے)۔ یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ الف اور جیم کے درمیان ہر روح کا مقام محمود ہے۔ جہاں روح، وجود امری سے "جسم مثالی" اختیار کرتی ہے۔ اِس مقام کو "ب" کہیں گے۔ اِس طرح پوری شعاع کی ترتیب ہوئی "ا۔ب۔ج" اب ہم اب ج کے کچھ خواص بیان کرتے ہیں جس سے بہت سے نادر و نامعلوم نکات واضح ہوں گے۔ اور یہ بھی واضح ہو جائے گا۔ کہ واپسی کا سفر کس طرح طے ہوتا ہے۔

ذات ہے ذات کی طرف مائل
واپسی کا سفر ہے منزل دور

سلاست یا وضاحت کی پوری کوشش کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ یہ باتیں اہل بصیرت و اہل عرفان حضرات کے سوا۔ دوسروں کی سمجھ میں پوری طرح ہرگز نہ آئیں گی۔ تاہم جو کچھ لکھا جاتا ہے۔ علم کے ابلاغ اور تفکر کی غرض سے ہے۔ روح ایک شعاع ہے۔ یہ شعاع جب تک اللہ کا حکم یعنی موت نہ آئے۔ ہمیشہ اور ہر وقت الف سے جیم تک قائم رہتی ہے۔ یعنی کوئی چیز نان گنڈ کٹ بن کر اسکو منقطع نہیں کر سکتی

سورۂ فرقان میں ہے" یعنی کیا نہیں دیکھا تم نے اپنے رب کی طرف، کتنی لمبی کر دی ہے پرچھائیں۔ ہم چاہتے تو اسکو ٹھہرائے رہتے۔ لیکن پھر ہم نے سورج کو اسکی دلیل بنایا پھر کھینچ لیا اس پرچھائیں کو سہج سہج۔ علمائے ظاہر نے کہا "ظل" سے مراد مادی اشیاء کا سایہ لیا ہے۔ جو سورج سے پیدا ہوتا ہے ایسے سائے کیلئے ضروری ہے کہ سورج پہلے سے موجود ہو۔ حالانکہ آیت میں پہلے پرچھائیں یا سائے کو لمبا کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ" ہم چاہتے تو اسے قائم رکھتے۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ ہم نے سورج کو دلیل بنایا۔ اور پرچھائیں کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا مفہوم کچھ اور ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے رسول کریمؐ کو یہ دکھانا چاہا ہو کہ انسانی روح کس طرح بیدار ہوتی ہے چنانچہ کہا 'دیکھو، ہماری طرف جب رسول اللہؐ نے دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے روحِ بسیط کی ایک روحِ مجرد کو حکم دیا ہو۔ یہ حکم سنتے ہی اس روح نے شعاع، پرچھائیں یا ظل کی صورت اختیار کی، اور بڑھ کر زمین تک آ گئی۔ لیکن چونکہ اس روحِ مجرد کو پیدا کرنا مقصود نہ تھا بلکہ رسول اللہ کو اپنی ایک آیتِ کبریٰ دکھانی تھی، تو اس روحِ مجرد کو آہستہ آہستہ اپنی طرف (یعنی روحِ بسیط کی طرف) کھینچ لیا۔ اور رسول اللہؐ سے فرمایا کہ یہ طریقہ ہے (روح کے نزول اور واپسی کا) جو ہم نے آپ کو دکھایا۔ باقی باتیں سورج کی دلیل سے اچھی طرح سمجھ میں آ جائیں گی کہ اسکی شعاعیں کس طرح اس زمین کی مخلوقات کو زندہ رکھتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہرحال یہ آیت اہلِ بصیرت کے تفکر کے لئے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ یہ شعاع اسقدر سریع اور لچکیلی ہوتی ہے کہ انسان پیدل یا سواری پر جا ہے جس رفتار سے حرکت کرے اور جہاں چاہے جائے۔ یہ ہر وقت اسکے ساتھ رہتی ہے!۔ الف سے ب اور ب سے ج تک اس شعاع کے ہر ذرے میں اس انسان کا ایک جسمِ مثالی (یا ہمزاد) موجود ہوتا ہے۔ جو ہو بہو اس کا ہمشکل ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جیم (جسم) سے جسقدر آگے چلو، ہر جسم پچھلے جسم سے لطیف تر

ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ حقیقت میں ایک ہی جسم کے لاانتہا مظاہر ہیں، ان کی بابت نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے جسم ہیں۔ نہ یہ کہ یہ سب ایک ہی جسم ہیں۔ الفاظ میں یہ بات سمجھانا بہت ہی دشوار ہے۔ مندرجہ ذیل مثال سے شاید کچھ سمجھ میں آجائے۔

فلم کے ذریعہ علم

ہم مثالی جسموں کا علم فلم کے ذریعہ حاصل کر سکتے ہیں۔ سینما ہال کا تصور کیجئے۔ ایک طرف آپریٹرز روم ہے۔ دوسری طرف پردۂ سیمیں۔ اور دونوں کے بیچ میں دو سو فٹ لمبا ہال۔ آپریٹرز روم میں انجن اور مشینری وغیرہ ہے۔ ایک چرخی پر فلم چڑھی ہوئی ہے۔ جس کے سامنے دیوار میں سوراخ ہے۔ آپریٹر روشنی ڈالتا ہے۔ جو ایک تصویر پر پڑتی ہے۔ اور تصویر روشنی کی شعاعوں پر سوار ہو کر پردے پر نظر آنے لگتی ہے۔ مثلاً اس فلم کو نزح بسیط خیال کیجئے۔ اور اس تصویر کو جو روشنی کے ذریعہ پردے تک بھیجی گئی ہے۔ روح مجرد پیچھے سے جو روشنی پڑتی ہے اس کو اللہ کا نور۔ ارادہ یا حکم! فلم کی سطح پر پردے تک جو خلا ہے۔ اس کو عالم مثال اور خود پردۂ سیمیں کو عالم مادی! اب ہمارے ایک سوال کا جواب دیجئے۔ فلم سے پردے تک جو خلا ہے کیا اس میں کوئی ذرہ بھی ایسا ہے جہاں وہ تصویر نہ ہو جو فلم میں غیر متحرک ہے۔ اور پردے پر متحرک یا جاندار نظر آرہی ہے۔ اور یہ بھی بتائیے کہ فلم کی تصویر سے پردے کی تصویر تک کوئی ذرہ برابر جگہ ان شعاعوں میں ایسی ہے جہاں تصویر کا وجود نہ ہو۔ اور بتلائیے کہ یہ جسم ایک ہی ہے یا بہت سے ہیں۔ مثال یقیناً دوسری باتوں کے لحاظ سے ناقص ہے۔ مگر سمجھانے کے لئے ہم کو اس سے اچھی مثال معلوم نہیں، انسان کا مادی دماغ اپنے حواس پنجگانہ عقل اور تجربے سے جو علم حاصل کرتا ہے۔ وہ مثالی جسموں کو بھی ان کی لطافت کے مطابق منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور بصیرت باطنی بھی منتقل ہوتی ہے۔ انسان کا قلب جن جذبات سے متاثر ہوتا ہے وہ

مثالی جسموں پر بھی تدریجاً اثر انداز ہوتے ہیں۔ انسان کا نفس عقائد و اعمال سے جو رنگ پکڑتا ہے۔ اِن کے اجسام مثالی بھی وہی رنگ پکڑ لیتے ہیں۔ انسان میں نیک و بد اعمال سے کردار کی جو طاقت یا کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ وہ مثالی اجسام میں بھی نفوذ کرجاتی ہے یہ شعاع انسانی ارادے کی قوت کے مطابق چشم زدن میں کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک حرکت کرسکتی ہے اگر یہ شعاع کسی کامل حقیقت شناس کی روح ہو تو وہ اپنی قوت ارادی سے بحکم خدا، اپنے مثالی جسم کو اس زمین پر یا کائنات میں جہاں چاہے مجسم کرسکتا ہے۔ ریہ روحی طاقت پر موقوف ہے)، یا وہ اپنے جسم مادی کو جہاں چاہے منتقل کرسکتا ہے۔ یہی وہ راز ہے کہ اکثر اولیاء اللہ ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر موجود پائے گئے اور پائے جاتے ہیں۔ خط جیم (جیم)، (مقام محمود)، اپنے اوپر والے حصے ب اور الف کے ذریعہ قضا و قدر کی طرف سے نازل ہونے والے احکام سے اثر پذیر ہوتا ہے (یہ تقدیر ہے)، اور یہ خط ج - ب، تمام عالم مادی اور عالم مثال میں اپنے اردگرد کا اثر بھی اپنی کمزوری یا طاقت کے لحاظ سے قبول کرتا ہے۔ (یہ حادثات ہیں)، جب تک اس خط کا تعلق نقطۂ جیم سے رہتا ہے۔ یعنی روح مجرد جیم سے ملتی رہتی ہے جسمانی زندگی قائم رہتی ہے۔

موت اور سفر آخرت

جب حکم قضا صادر ہوتا ہے۔ تو نقطۂ الف (روح بسیط یا روح کل)، نقطہ ب کو اور نقطۂ ب نقطۂ جیم کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کشمکش کا فطری تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ ساری شعاع ج - ب سمٹ کر نقطۂ ب یعنی مقام محمود میں جمع ہوجائے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ نقطۂ ج (جیم)، ایک جھٹکا محسوس کرتا ہے۔ (جسے سکرات کا تشنج کہتے ہیں)۔ اور شعاع کے تمام مثالی جسموں میں سب سے کثیف ہونے کے سبب

سر سے الگ ہو جاتا ہے۔ یا صحیح الفاظ میں یوں کہئیے کہ الگ کر دیا جاتا ہے اس کا نام موت ہے۔ (یعنی رشتہ حیات کا منقطع ہو جانا) اب جسم کے جسم مادی کے سرے پر سے غائب ہوتے ہی اس کی جگہ وہ جسم مثالی لے لیتا ہے۔ جو جسم کے بالکل متصل تھا اس کو ہم مرنے والے کا روحانی جسم کہتے ہیں۔ اب یہ شعاع نسبتاً ہلکی ہو جانے کی وجہ سے سمٹ کر ناسوت کے پہلے طبقے میں چلی جاتی ہے۔ اب اگر روحانی وجود بہت بھاری اور بوجھل ہے۔ تو وہیں مقیم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی قدر ہلکا ہے تو جتنا یہ ہلکا ہوگا۔ اس نسبت سے یہ شعاع نقطہ ب کی طرف سمٹتی ہے اور روحانی وجود عالم ناسوت (جہنم کے طبقات) کو طے کرتا جاتا ہے۔ اگر شعاع کے ناسوتی حصے کے سارے سہی اجسام مثالی (ہمزاد) ہلکے ہیں تو یہ ایک دوسرے میں سما کر ایک ہی جسم بن جاتے ہیں۔ اسطرح ناسوتی عالم میں شعاع کا جو حصہ تھا۔ سب سمٹ جاتا ہے یعنی عالم ناسوت طے ہو جاتا ہے۔ اور روحانی وجود جنت کے طبقہ اول میں پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح اگر شعاع کے ان حصوں کے مثالی جسم بھی جو ملکوت، جبروت اور لاہوت وغیرہ میں سے گزرتے ہیں۔ متناسب طور پر ہلکے ہوں تو شعاع اور سکڑ کر۔ جبروت، لاہوت یا اور آگے تک سمٹ جاتی ہے۔ اور روحانی وجود اپنے مقام محمود تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی قیامت تک کے لئے سفر آخرت تک کا اختتام ہے۔ یہ بیان ذرا مشکل ہے۔ اس لئے یہ بات ہم ذرا عام فہم انداز میں کہتے ہیں۔ جب روح جسم سے نکلتی ہے۔ تو نکرین اسکو عالم ناسوت کے طبقہ اول میں اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں۔ جہاں سے اسکو سفر آخرت شروع کرنا ہے۔ اگر یہ روح کسی ایسے آدمی کی ہے۔ جو عالم آخرت اور دیدار الٰہی وغیرہ کا قائل نہ تھا یا سخت گنہ گار اور صراط مستقیم سے نابلد تھا۔ تو یہ روح وہیں قید ہو جاتی ہے۔ یا عالم ناسوت کے طبقہ اول ہی میں بھٹکتی پھرتی ہے۔ سورۃ الانعام آیت ۳۱ میں ارشاد ہوتا ہے۔ "تحقیق انھوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب قیامت آجائے گی ان کے

پس تو کہیں گے "افسوس تقصیر کی ہم نے" اسی آیت کے آخری ٹکڑے میں اور سورۃ عنکبوت کی تیرھویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو بوجھ فرمایا ہے۔ اسلئے جو روح جتنی زیادہ گنہ گار ہوگی۔ اتنا ہی اسکو چلنا اور آگے بڑھنا دشوار ہوگا۔ ان میں بعض روحیں اسقدر بوجھل ہوں گی کہ مطلق چل ہی نہ سکیں گی۔ بلکہ مفلوج یا بیمار کی طرح ایک جگہ پڑی رہیں گی بہر حال یہ اپنے اپنے گناہوں کی مقدار، تعداد اور نوعیت پر موقوف ہے۔ ناسوت کے ابتدائی طبقات میں دہکتی ہوئی آگ اور کھولتے ہوئے پانی کا عذاب بھی ہے۔ جو روحیں اس عذاب کی مستحق ہیں انہیں وہاں پہنچا دیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جو ارواح ایمان محکم اعتقاد صحیح اور اعمال نیک کی وجہ سے ہلکی پھلکی، لطیف اور طاقتور ہوتی ہیں۔ وہ بجلی جیسی سرعت سے عالم ناسوت یعنی طبقات دوزخ کو طے کرکے تھوڑے ہی عرصے میں اپنے مقام محمود پر پہنچ جاتی ہیں۔ اتقیا، اولیا اور شہدا کی روحیں اسقدر لطیف اور طاقتور ہوتی ہیں کہ چشم زدن میں اپنے مقام محمود پر فائز ہو جاتی ہیں اور انہیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ کس وقت طبقات دوزخ پر سے گزر رہے تھے۔ تمام جنتی ارواح کی سمت سفر اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اسی واسطے فرمایا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون اور یوں بھی ارشاد ہوا ہے کہ کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون یعنی ہر نفس کو مرنا اور ہماری طرف واپس آنا ہے اس میں لفظ "طرف" خصوصاً قابل توجہ ہے۔ طرف کے لفظ سے اللہ کی سمت ظاہر ہوتی ہے یہاں ہم یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ ان بیانات میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ اور جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً اوپر نیچے آگے پیچھے دور و نزدیک وغیرہ یہ سب سمجھانے کے لئے ہیں۔ ورنہ عالم مثال اور عالم امر میں اطراف۔ وقت اور فاصلے کے وہ اندازے ہرگز نہیں جو اس عالم مادی میں ہیں لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ وہاں وقت اور فاصلہ موجود نہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ سورۃ الحج میں ہے کہ اللہ کا ایک دن ہزار سال کی برابر ہے۔ اگر وقت اور فاصلے کی مزید حقیقت معلوم کرنی ہو تو TIME اور SPACE پر موجودہ زمانے میں جو تحقیقات کی گئی ہیں اس کا

مُطالعہ کرنا چاہئیے۔ کہ وقت اور فاصلے کا جو تصوّر ہمارے ذہن میں موجود ہے جسے تم حقیقت سمجھتے ہو وہ تو صرف اِن حواس اور قویٰ کی وجہ سے ہے جو قدرت نے تم کو عطا کئے ہیں۔ اگر ایک ہوائی جہاز مشرق سے مغرب کی طرف اِس رفتار سے سفر کرے جس رفتار سے زمین اپنے محور پر گھوم رہی ہے۔ اور جس وقت وہ روانہ ہوا اسوقت سورج افق مشرق سے صرف ایک درجہ بلند ہو چکا ہو تو اِس جہاز کے لئے چوبیس گھنٹے ہمیشہ ایک ہی وقت رہے گا۔ یہی حال فاصلے کا ہے۔ اگر ہمارا قد موجودہ اوسط سے دس گنا بڑا ہو جائے یا آئندہ یہ معجزہ پیش آجائے۔ یا ہماری موجودہ رفتار اوسط رفتار سے دس گنا بڑھ جاتے تو ہمارے لئے فاصلہ دس حصّے کی بقدر کم ہو جائے گا یعنی دس میل ایک میل کی برابر ہو جائے گا۔ یہی حال بصارت کا ہے۔ ادھر ایک آدمی لندن میں ٹیلی وژن پر کھڑا ہوا۔ اِدھر وہ کراچی یا بمبئی بلکہ ساری دنیا میں ہر جگہ کے ٹیلی وژنوں پر فوراً ہی نظر آجائے گا۔ یہی حال آواز کا ہے۔ ادھر نیویارک یا برطانیہ کی نشر گاہوں پر کوئی بولا ادھر تمام دنیا میں اسکی آواز پہنچ گئی۔ ایٹم کی ساخت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایٹم بجائے خود ایک نظام شمسی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اسی قاعدے سے کام کر رہا ہے۔ کیا اِن حقیقتوں کے مطالعہ اور ان باتوں پر غور کرنے سے ایک حیّی و قیوم اور قادر و توانا کا ثبوت نہیں ملتا۔ وہ قوت مطلق، جو اِن سب کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہی ہے لیکن یہ ایمان اِن لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو علم حاصل کر کے غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

عالم مثال کے بارے میں یہ بیان ایک ایسے بزرگ کا ہے۔ جو کشف و عرفان کے مدعی ہیں۔ حالت وجدان میں مسلمان صوفیا کو برزخ یا عالم مثال کے بارے میں جو مشاہدات ہوتے ہیں اِن کی عام نوعیت یہی ہوتی ہے۔ لیکن غیر مسلم ارباب کشف کے مشاہدات اِن کی اپنی ذہنی ساخت اور انداز فکر کے مُطابق ہوتے ہیں امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دنیا ہو یا وہ دنیا۔ ہمیں حقیقت کا ادراک صرف اپنے ذوق و ظرف کے مُطابق ہوتا ہے ہم کسی کے مشاہدے کو آخری، قطعی، حتمی اور مطلق نہیں کہہ سکتے۔ اپنا اپنا مقام نظر الگ

ہوتا ہے۔ اور مقام نظر ہی کی مناسبت سے اشیاء چھوٹی بڑی موٹی پتلی اور ترچھی سیدھی نظر آتی ہیں۔ عالمِ برزخ کا حال بھی یہی ہے۔

مرکزِ طواف

عرفان صوفی نے اپنے جسمِ مثالی کو کسی عالم میں دیکھا؟ لکھتے ہیں کہ:۔

۲؍نومبر کو شام کے ۵ بجے میں چائے کے انتظار میں تھا کہ خود بخود آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تو دیکھا کہ میرا جسمِ مثالی نائلون پلاسٹک کے پیالے میں چائے پی رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ نائلہ بی بی (عرفان صاحب کی بچی) نے چائے میں چینی کم ڈالی ہے۔ (میں خود اسوقت چائے کے انتظار میں بیٹھا تھا، حالانکہ میں نے ایک عرصہ سے پلاسٹک کے پیالے میں چائے پینی چھوڑ دی ہے۔ اور چینی کے پیالے میں پیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی آنکھ کھولی تو دیکھا کہ نائلہ بی بی پلاسٹک کے کپ میں چائے پی رہی ہے۔ حضور آپ ارشاد فرمائیے کہ یہ کیا قصہ ہے؟ میں نے اس دوران مراقبہ کرنا چاہا لیکن پیکرِ مثالی نے مزاحمت کی۔ مراقبے کے عالم میں جسمِ مثالی یا پیکرِ مثالی کے تجربات بڑے عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ مراقبے کی حالت طاری ہوتے ہی دیکھا کہ بائیں جانب سے خسر صاحب آرہے ہیں۔ اور ان کی پشت پر بہت سے جوتے ڈوریوں میں لدے ہوئے ہیں۔ پھر دیکھا کہ خسر صاحب ایک پلنگ پر لیٹے ہیں۔ پھر دیکھا کہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ثمینہ کے بچے کو گود میں لئے ہوئے ہیں۔ خادم نے (بحالتِ مراقبہ) دستِ دعا بلند کئے۔ آنکھیں بند تھیں۔ دیکھا کہ میں خانہ کعبہ بن گیا ہوں۔ اور لوگ میرا طواف کر رہے ہیں۔

دیکھا جو غرقِ کیف ہوا اعتکاف میں
خود مرکزِ طواف ہے میرے طواف میں

دیکھا کہ خسر صاحب کو آپ نے باندھ رکھا ہے! اور وہ رسیاں تڑا کر بھاگنا چاہتے

دیں۔ لیکن حضورؐ کی گرفت مضبوط ہے۔ اسکے بعد بے خودی کی کیفیت رفتہ رفتہ زائل ہوگئی۔ عرفان صوفی کے مشاہدات درحقیقت ان کے جسمِ خاکی نہیں جسمِ مثالی کے مشاہدات ہیں

باباتاج الدینؒ کی زیارت

مزید لکھتے ہیں کہ، ساڑھے دس بجے میں پلنگ پر لیٹا تھا سر شمال کی طرف تھا۔ (تمام عملیات میں شمال رویہ بیٹھنا یا لیٹنے کی حالت میں سر کا شمال کی طرف ہونا بنیادی شرط ہے)، کہ حالت بے خودی طاری ہونے لگی۔ اور میں ماحول سے کٹ گیا محسوس ہوا کہ میں روشنیوں میں نہا گیا ہوں اتنے میں صاف اور واضح طور پر حضرت بابا تاج الدین ناگوریؒ۔ رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ مجسمۂ نورؐ کی شکل میں سامنے موجود ہیں۔ وہ ایک لمحہ تو غور سے اس خادم کو دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا کہ ارے! یہ مرے کی سری کا کائے کو لیٹا رے اٹھ! خادم نے زبانِ حال سے مراقبے کے بارے میں عرض کیا۔ ایک دم گرم ہو کر فرمایا کہ

اٹھتا نہیں رے تو۔ چل اٹھ کر بیٹھ، یہ فقرہ اتنے زور سے عرض کیا کہ خادم گھبرا کر آنکھیں بند کئے مراقبے میں بیٹھ گیا۔ اسکے بعد روشنیوں کا ایک سیلاب امڈا۔ اور باباصاحب کی آواز سنائی دی کہ۔

(ناگپور چلتا کیلے رے تو۔ چل۔ شیطاناں لوگاں تیرے کو روکتے رہے! پھر گلاب دیکھا پھول دیکھا۔ پھر یہ دیکھا کہ بابا تاج الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ میری خوشدامن کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں پھر میری بیگم اس حالت میں نظر آئیں۔ پھر باباصاحب کی آواز آئی داندازہ ہوا کہ وہ میری بیگم سے مخاطب ہیں۔) فرماتے ہیں کہ

نکو رو۔ نکو رو پھر فرمایا کہ تم لوگاں وہاں کائے کو نہیں جاتے اے۔ وہاں جاؤ بڑے قندیلاں میں وہ بڑے کتاباں پڑھتے ہے اچھے ہے رے اچھے جاؤ، وہاں جاؤ۔ پھر مرشدِ اعلیٰ کی ہدایت آئی کہ ان کے نام سے فاتحہ پڑھو۔ میں مراقبے کے عالم ہی میں ہاتھ

اٹھا کر فاتحہ پڑھنے لگا حضرت بابا تاج الدین کی ناگوری کی آواز آئی۔

میرے کو نکورے۔ لو میں تو تمہارے مرشداں کو پوچھ رہا ہوں۔ اِن کو دعا بولنا لئے تو ٹے ا۔ ہاں فاتحہ خوانی کے وقت تحرکائی کے دانوں کی تسبیح نظر آئی اور اسکے ساتھ بابا کی آواز کہ یہ تسبیح ہماری ٹوٹی رلڑکی، کو دیدینا (اشارہ میری بیگم کی طرف تھا) حضور بابا کی زبان جو میں نے تحریر کی ہے۔ بڑی مشکل سے یاد کر کے لکھی ہے اس لئے کہ یہ مدراسی دکنی بولی ہے۔ اور ہاں حضور کا یہ فقرہ کہ "بڑے قندیلا میں وہ بڑی کتاباں پڑھتے رہے۔ اچھے ہے لئے اچھے" صرف حضور کے لئے تھا!

نفسیاتی نقطۂ نظر

نفسیاتی نقطۂ نظر سے ان شاہدات کی حقیقت لاشعور (ذہن انسانی) کی ڈرامہ سازی سے زیادہ نہیں۔ جب آدمی پر خواب غنودگی یا بے خودی کی سی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ تو اسکے نفس کے اندر سے وہ تمام نقوش حافظ علامتوں اشاروں اور تصویروں کی شکل میں اُبھر کر ذہن کی سطح پر نمودار ہونے لگتے ہیں۔ جو شعور کی حالت میں یاد نہیں آتے یا جنہیں شعور ذہن کی سطح پر اُبھرنے نہیں دیتا۔ عرفان صوفی کے ذہن کی نچلی تہہ میں سب کچھ موجود ہے۔ اِن کے حافظ کے محافظ خانے میں بے شمار یادداشتوں کے خزانے محفوظ ہیں۔ لاشعور کی رو معطل ہوتے ہی وہ سب کچھ اچھل کر باہر آجاتا ہے جسے بزور دبایا گیا تھا۔ مراقبے کی حالت اور خواب میں فرق یہ ہے۔ کہ نیند خود بخود طاری ہوجاتی ہے۔ البتہ مراقبے کی حالت طاری کرنی پڑتی ہے۔ نیند میں انسان کا فعّال اور (سرگرم کار) ارادہ معطل ہو جاتا ہے۔ مراقبے میں انسان کی قوت ارادی برابر کار فرما رہتی ہے۔ آدمی کا دماغی اور اعصابی نظام جسقدر رچست و مضبوط ہو گا۔ مراقبے کی بے خودی میں وہ اتنا ہی چوکنا رہے گا۔ بچوں اور کمزور اعصاب والوں پر حالت بے خودی شدت سے

اثر انداز ہوتی ہے۔ اور ان کا ذہن حیرت انگیز ڈرامے دکھلاتا ہے۔ عرفان صوفی کے بیانات تو آپ نے سن لئے۔ اب ان کے کم سن صاحبزادے عرفان صوفی کے ننھے منے جسم مثالی کی داستان سنیئے۔ مراقبے اور خواب کی ہر داستان اور ہر حکایت جسم مثالی سے تعلق رکھتی ہے۔

خضر نما بزرگ

۱۱ نومبر ۱۹۷۴ء کی شب میں پونے ۹ بجے عرفان پر تنویمی کیفیت طاری کرائی گئی۔ اب ان کا بیان سنیئے: دیکھا کہ ایک نہایت حسین خوبصورت اور بلند و بالا سنگ مرمر کا محل ہے۔ محل کے صدر دروازے پر ایک خضر نما بزرگ استادہ ہیں۔ بر میں سفید شاہانہ لباس، سر پر زرکار تاج۔ گلے میں ہیرے جواہرات کے کنٹھے، ان بزرگ کے ساتھ ان کی ملکہ عالیہ بھی تشریف فرما ہیں۔ مرمریں محل کے صدر دروازے کے سامنے ایک خوبصورت بگھی ہے۔ اس بگھی میں سفید براق گھوڑے جتے ہوئے ہیں۔ بگھی ریشمی، پردوں سے مزین ہے کہ اچانک کسی طرف سے ایک سیاہ بدہیئت آدمی آجاتا ہے۔ اس خبیث کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میاں عمران پر حملہ کرے۔ فوراً اندھیرا چھا جاتا ہے پھر روشنی کی ایک کرن کہیں سے نمایاں ہوتی ہے۔ شعاع نور کے ساتھ ایک فرشتہ (بزرگ) نظر آتا ہے۔ اور وہ اس کالے بھجنگ کو مار دیتا ہے۔ پھر شاہ اور ملکہ بگھی میں سوار ہو جاتے ہیں۔ بگھی کے پردے بدستور گرے ہوئے ہیں۔ اس مرتبہ ایک کالی کلوٹی ڈھتنی چڑیل مردار کہیں سے ٹپک پڑتی ہے۔ ہاتھ کا اشارہ کرتی ہے! اندھیرے چھا جاتے ہیں میاں عمران لاحول پڑھتے ہیں تو ہر طرف چکا چوند کر دینے والی روشنیاں پھیل جاتی ہیں۔ اور عمران میاں بیدار ہو جاتے ہیں۔

پھر وہی منظر

دوسرے روز ۱۲ نومبر ۴۷ء کو عمران نے حالت بیخودی میں جو کچھ دیکھا۔ وہ اور بھی تعجب انگیز ہے۔ ان کے والد بزرگوار عرفان صاحب لکھتے ہیں کہ عمران پر حالت طاری ہوئی تو اس نے دیکھا کہ وہی جگہ ہے وہی محل ہے اور وہی بگھی۔ اس مرتبہ بگھی کے پردے ہٹا دیئے گئے ہیں۔ بگھی کے اندر شاہ اور ملکہ جلوہ گر ہیں۔ بگھی روانہ ہو جاتی ہے۔ اور دونوں ایک عظیم الشان محل میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ محل بھی سفید سنگ مرمر کا ہے۔ حسین ترین جھاڑ فانوس لگے ہوئے ہیں۔ اور دروازے پر مخمل کے پردے پڑے ہیں۔ اس دوسرے محل میں ایک اور بزرگ تاج زریں سر مسند پر گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ہیں۔ یہ کافی سے زیادہ ضعیف ہیں ریش مبارک سفید اور شاہ موصوف سے کہیں زیادہ بزرگ لگتے ہیں۔ ان بزرگ نے شاہ اور ملکہ کی دعوت کا انتظام کیا ہے۔ دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ اور اس دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے ہیں۔ محل میں ہر طرف خدام دست بستہ کھڑے ہیں۔ اکثر خدام بوڑھے ہیں۔ چند جوان ہیں۔ اسکے بعد عمران میاں کو ہوش میں لے آیا گیا۔ عمران کو ہمیں نے خود دیکھا ہے کہ ایک ذہین اور حساس بچہ ہے بے خودی یا تنویمی نیند کی حالت میں اس نے جو کچھ دیکھا جو کیفیت اس بچہ پر گزری۔ وہ سراسر تخیل کی شعبدہ طرازی اور ذہن کی ڈرامہ سازی ہے۔ عمران میاں نے شاہ و ملکہ کی جو کہانیاں بچپن میں سنی تھیں ان کہانیوں نے اس بچے کے نفس میں ایک عظیم الشان ڈرامے کی شکل اختیار کر لی تھی عمران پر ڈوب جانے کی کیفیت طاری ہوتے ہی، اندر چھپے ہوئے یہ ڈرامائی مناظر کے سامنے گزرنے لگے۔ اور اور محل بگھی خبیث خدام، چڑیل اور طلسم ہوشربا کے ذہن ہے مناظر حقیقت واقعہ کی طرح نگاہ باطن کے سامنے سے گزرنے لگے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جسم مثالی کا ڈرامہ سازی سے کیا تعلق ہے؟ صورت حال یہ ہے گوشت پوست کا جسم، گوشت پوست

کا ذہن، گوشت پوست کا دماغ اور گوشت پوست کے اعصاب اِن ڈرامہ سازیوں میں کوئی حصہ نہیں لیتے۔ بلکہ ڈرامہ سازی، تخیل طرازی، عجائب نوازی اور شعبدہ بازی کی تمام تر صلاحیتیں جسمِ خاکی کے بجائے جسمِ مثالی میں پائی جاتی ہیں۔ یہ پیکرِ نور تخلیقی قوتوں کا سرچشمہ ہے جسمِ خاکی نزاد تو نفس یعنی پیکرِ مثالی کا ایک ادنیٰ آلہ کار ہے عمران میاں نے ڈرامہ سازی کی جس صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ وہ اُن کے جسمانی اور اعصابی ذہن کا کارنامہ نہیں، مثالی ذہن کا عمل ہے۔

جسمِ مثالی کی شکل

عرفان صوفی کے مزید تجربات ملاحظہ ہوں لکھتے ہیں کہ۔

میں جب بھی مراقبے کی کوشش کرتا ہوں پیکرِ مثالی درمیان میں حائل ہو جاتا ہے اور سامنے سے ہٹنے کا نام نہیں لیتا۔ جسمِ مثالی کی صورت عجیب ہے کبھی تو مکمل مجسمہ نور نظر آتا ہے۔ اور کبھی ایک آؤٹ لائن رخاکہ، نظر آتی ہے جسکے کچھ حصے روشن ہوتے ہیں۔ اور کچھ سیاہ! جس طرح میں بیٹھتا ہوں اسی طرح وہ بھی بیٹھتا ہوں جب میں کھڑا ہو جاتا ہوں تو بھی کھڑا ہو جاتا ہے۔ کبھی اچھل کود کرتے لگتا ہے۔ آج (۲۱ر نومبر کو) میں نے جسمِ مثالی کو خدا اور رسولؐ کا اور تمام بزرگوں کا واسطہ دیا کہ سامنے سے ہٹ جائے۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں کسی کو نہیں مانتا۔ (حضرت! یہ سب کچھ میرے لاشعور کی ہنگامہ آرائی تو نہیں ہے۔ جسمِ مثالی کی شرارتوں کی کوئی حد نہیں، کبھی اندھیرا کر دیتا ہے۔ آج یہ حرکت کی کہ چہرہ تبدیل کر لیا۔ اور عجب بے تکی اور ڈراؤنی شکل بنائی۔ آگے بڑھتا رہا آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اپنا چہرہ بالکل میرے چہرے سے لگا دیا۔ اور پھر اندھیرے چھا گئے۔ آپ کچھ توجہ فرمائیں۔ اِن تمام مشاہدات کے بارے میں خود صاحبِ مشاہدہ نے اپنا تجزیہ پیش کیا ہے۔ عرفان صاحب لکھتے ہیں کہ۔ صبح کو استغراق کی کیفیت طاری ہوتے ہی احساس ہوا کہ عمل تنویم حاضرا

ارواح اور مراقبے کی حالتوں کے درمیان کافی مشابہت ومناسبت پائی جاتی ہے اور ان تینوں حالتوں میں غدۂ صنوبری کا عمل حد درجہ تیز ہو جاتا ہے اور استغراق کے عالم میں بھی حرکت میں آجاتا ہے۔ عمل تنویم اور عمل حاضرات میں معمول کوئی اور ہوتا ہے۔ عامل کوئی اور۔! لیکن مراقبے میں جو شخص عامل ہوتا ہے۔ وہی معمول کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ میری بیگم نے مراقبے میں حکم دیا کہ جاکر ثمینہ (بچی) کے گھر کے حالات معلوم کرکے آؤ۔ جسم مثالی نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اور بتایا کہ ثمینہ سرکاری کوارٹر میں رہتی ہے ایک دو کمرے ہیں۔ گلی سے گزرنے کے بعد کوارٹر آتا ہے۔ غالباً یہ جٹ لینڈ یا جہانگیر روڈ کے سرکاری کوارٹر میں۔ واقعہ یہ تھا کہ بیگم نے بابا انعام الرحیم پر تنویمی نیند طاری کردی تھی بابا انعام الرحیم حضرت کے یہاں حاضر ہوچکے ہیں۔ عمر بھی زیادہ ہے۔ جب انعام الرحیم پر گہری نیند طاری ہوگئی۔ تو بیگم نے حکم دیا کہ آپ ثمینہ کے گھر کی خبر لائیں۔ پھر ان سے معلوم کیا کہ بتلایئے آپ کیا کیا دیکھ رہے ہیں۔ تب انھوں نے یہ تفصیل بیان کی۔ حیران کن بات تھی کہ سید انعام الرحیم بابا کو قطعی علم نہیں کہ ثمینہ کے سسرال والے کہاں رہتے ہیں۔ کوارٹر کس قسم کا ہے۔ عرفان صوفی نے جس تجربے کو نقل کیا ہے۔ اس کا تعلق تنویم کاری سے ہے۔ تنویمی نیند کی حالت میں بھی جسم مثالی ہی دوڑ دھوپ کیا کرتا ہے۔ انعام الرحیم نے جو کچھ بیان کیا۔ وہ ان کے جسم مثالی کی کارگزاری ہے۔ عرفان صاحب کا بیان جاری ہے لکھتے ہیں، کہ جسم مثالی کی اچھل کود بند ہوچکی ہے البتہ نگاہِ باطن کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ کل شام جب میں مشق کر رہا تھا تو وہ کمرے میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ اسکی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح میں مشقیں بند کردوں۔ میں نے پڑھا ہے کہ مشقِ تنفس کے دوران کسی سائے یا کسی نادیدہ وجود کا احساس افتراقِ شخصیت کی دلیل ہے۔ اس خیال کے پیش نظر میں نے جسم مثالی کو حکم دیا کہ بس بند کردیہ بیہودہ کھیل کود، اور آئندہ کبھی میری مشقوں اور استغراق میں خلل انداز ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اس نے تعمیلِ حکم کا وعدہ کیا کہ ان مشقوں سے تنفس میں توانائی

کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے۔ اس سے جدت بڑھتی ہے۔ لہٰذا مقوی دماغ چیزیں استعمال کیا کرو۔ میں اپنے مکان (جسمِ خاکی سے مراد ہے) کو کباڑ خانہ بنانا نہیں چاہتا اگر میں غلط کہتا ہوں تو اپنے پیر و مرشد سے پوچھ لو۔ نیز ایک بار خادم نے جسمِ مثالی سے پوچھا کہ لوگوں کے جسمِ مثالی یا ہمزاد نہیں کیوں ڈراتے ہیں۔ لوگوں کو تنگ کیوں کرتے ہیں تو جواب دیا کہ دراصل یہ ان کا خبثِ باطن ہے۔ جیسی روح ویسے فرشتے!

شفائے رُوحانی

ش۔ اقبال (روہڑی) کے تجربات ملاحظہ ہوں۔

میں آپ کی ہدایت کے بموجب مراقبے میں گلاب کے پھول کا تصور کرتی ہوں۔ دو چار روز تک تصور سے کوئی نتیجہ نہ نکلا مگر ایک روز مراقبے کے دوران مجھ پر بیخودی سی طاری ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ آہستہ آہستہ ایک انجانی خوشبو میرے ارد گرد چکر کاٹ رہی ہے۔ چند لمحے تک تو احساسِ خوشبو قائم رہا پھر ایسا لگا کہ میں خود اس خوشبو کا ایک حصہ بن گئی ہوں۔ دوسرے روز بھی مراقبے میں یہی کیفیت طاری ہوئی۔ دیکھا کہ قلب پر گلاب کے پھول کا پرتو پڑ رہا ہے۔ بے خودی کے عالم میں اپنے کو کسی اور ہی دنیا میں پاتی ہوں۔ اس دنیا میں جانے پہچانے چہرے نظر آتے ہیں۔ نہ صرف بے خودی بلکہ بیداری میں بھی جسمِ مثالی نظر آتا ہے۔ پچھلے دنوں ایک عجیب تجربہ پیش آیا۔ مغرب کے وقت اچانک بجلی فیل ہو گئی۔ میں نے موم بتی روشن کر کے میز پر رکھ دی اور خود قریب پڑی ہوئی آرام کرسی پر دراز ہو گئی۔ اچانک بلا ارادہ میری نظر موم بتی کی لو پر جم گئی۔ اچانک بے وزنی کا احساس ہوا اور پھر نجانے کیا ہوا۔ میں نے دیکھا کہ جسم تو آرام کرسی پر دراز ہے اور میں الگ کھڑی ہوں۔ کچھ دیر یہ نظارہ قائم رہا۔ پھر ایک زوردار جھٹکا لگا۔ میں نے دیکھا کہ میں آرام کرسی پر موجود ہوں۔ ش۔ اقبال کا تجربہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ انھوں نے بار ہا خطوط

میں اپنی قوتِ شفا بخشی کا اظہار کیا ہے۔ قوت شفا بخشی بھی جسم مثالی ہی کا کرشمہ ہے۔
ش اقبال لکھتی ہیں۔ کہ آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے لوگوں کی خیر و فلاح کے لئے
بھی دعا مانگنی شروع کر دی ہے۔ اور یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ میری دعائیں بارگاہِ حق
تعالیٰ میں مستجاب ہیں۔ مثلاً ایک خاتون نے مجھ سے کہا کہ دعا کرو۔ میرا بچہ فرمانبردار
ہو جائے۔ وہ میرا حکم نہیں مانتا۔ میں نے تہجد کے وقت بچے کے لئے دعا کی۔ چند روز بعد
انھوں نے کہا کہ بچہ میرا حکم ماننے لگا ہے۔ کسی اور نے بھی اپنے لئے خصوصی دعا کرائی تھی۔ الحمدللہ
کہ وہ دعا بھی قبول ہوئی! شفیق استاد! یہ میری دعاؤں کا اثر نہیں آپ کی توجہ کا نتیجہ ہے
موتیا بند کے دو تین مریضوں کے خط آئے تھے۔ میں نے ایک صاحب کی پُرآشوب آنکھوں پر
توجہ ڈالی۔ ان کا بیان ہے کہ معمولی سا فائدہ محسوس ہوا۔ ابو کی آنکھیں بھی میری توجہ سے
صحت پذیر ہوئی ہیں۔ چند ماہ سے نزلے کی شدت میں مبتلا ہوں۔ نزلہ الٹا حلق پر گر
رہا ہے۔ ڈاکٹروں سے علاج کرایا۔ ذرا بھی فائدہ نہ ہوا تنگ آکر میں نے خود اپنے پر توجہ
شروع کر دی۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ نزلے کی تکلیف رفع ہو گئی۔ خاص طور پر یہ بات نوٹ کی
گئی ہے۔ کہ درد وغیرہ روحانی توجہ سے فوراً دور ہو جاتا ہے۔ گھر میں کسی کو بخار ہو جاتا ہے
تو دعا اور توجہ سے افاقہ ہو جاتا ہے دو تین روز سے حالت یہ ہے۔ کہ صبح کی مشق تنفس نور کے
بعد لیٹ جاتی ہوں۔ تو فوراً ڈوب جانے کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اور میں خود کو گھر سے
باہر میدان میں چہل قدمی کرتے ہوئے پاتی ہوں آسمان پر ستارے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں
اور بالکل حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ جب میں اس مشاہدے کی تحقیق کرتی ہوں۔ تو جو کچھ دیکھا ہے
اسکی تصدیق ہو جاتی ہے۔ سانس کی مشق کرنے کے بعد لیٹی تو استغراق طاری ہو گیا اور
اپنے کو گھر سے باہر پایا۔ اس ضمن میں، روحوں کی حاضری، کا ایک تجربہ سن لیجئے۔ از خود نویسی
(آٹومیٹک رائٹنگ)، کر رہی تھی۔ کہ یکایک میرا ہاتھ سرد ہو گیا۔ اور پنسل خود بخود چلنے لگی۔
ایک سایہ سا نظر آیا جب پنسل کاغذ پر رک گئی۔ تو مجھے ہوش آیا۔ دیکھا کہ کاغذ پر ایک اجنبی

تحریر درج ہے مگر اس تحریر کا مفہوم سمجھ میں نہ آیا۔

برزخ کا منظر

بیگم عرفان صوفی اپنے خط مورخہ ۳ جنوری ۱۹۷۵ء میں رقمطراز ہیں کہ

اندھیرے کی جگہ جاتی ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پلکوں میں سے روشنی نکل رہی ہے۔ جدھر دیکھتی ہوں۔ دیوار میں پر روشنی نظر آتی ہے۔ دیوار پر کسی کا سایہ دیکھ کر اس پر نظر جماتی ہوں تو وہ سیاہ سایہ روشن ہو جاتا ہے اور جب خود مشقِ تنفس نور کرتی ہوں۔ تو میرا سایہ کمر تک نظر آتا ہے جو خود بھی میری عمل ہے جب میں ہاتھ اٹھاتی ہوں تو وہ بھی ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اگر میں اپنے ہاتھ کانوں تک لے جاؤں۔ تو اسکے ہاتھ بھی کان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر حضرت یہ میرا مثالی جسم ہے۔ تو یہ سایہ کیوں نظر آتا ہے۔ سوچا کیوں نظر نہیں آتا عجیب بات یہ ہے کہ مراقبہ کرتی ہوں تو جسمِ مثالی مزاحم ہو جاتا ہے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔ ہٹتا نہیں کبھی کبھی ایک جھلک دکھا کر ہٹ جاتا ہے۔ اب ستائیسویں دسمبر رات کے نو بجے کا واقعہ ملاحظہ ہو۔ درود شریف پڑھ کر بستر پر لیٹ گئی۔ اور تسبیح جاری تھی کہ ایک سیلاب نور امڈ آیا۔ دیکھا کہ ایک خوبصورت باغ ہے۔ چاروں طرف سبزہ لہرا رہا ہے! اطراف کی کیاریوں میں خوش رنگ پھول کھلے ہوتے ہیں۔ پھر ایک جنگل دکھائی دیا جنگل میں ایک خوبصورت شیر ببر نظر پڑا۔ ہائے کیا پیاری شکل تھی؟ وہ بڑی پُر از محبت نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر گھوم کر چلا گیا۔ اور منظر بدل گیا دیکھا کہ بہت سارے آدمی کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ مائیکروفون لگا ہوا ہے۔ اور کوئی صاحب تقریر کر رہے ہیں۔ ان کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ تقریر کے الفاظ سنائی نہیں دیتے پھر ایک مولوی صاحب مائک پر نظر آتے۔ وہ تقریر نہیں وعظ فرما رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ مسلمان نفرت۔ حقارت و تعصب ترک کر کے پیار و محبت سے رہیں۔ اور سب کو اپنا بھائی سمجھیں، مجھے اس وقت یہ خیال ہوا کہ قریب کی مسجد میں کوئی مولانا وعظ فرما رہے ہیں یکایک

حضرت واعظ کی شکل میرے سامنے آگئی۔ لمبا قد، چھریرا جسم، گورا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں، سفید پاجامہ اور کالی شیروانی پہنے ہوئے تھے! گلے میں کالی سنہری کناروں کی شال ڈالے۔۔۔ یہ منظر کافی دیر تک دکھائی دیتا رہا۔ حالتِ بیخودی ختم ہوئی تو یہ منظر نگاہِ باطن کے سامنے سے اوجھل ہو گیا (خاتون کا بیان جاری ہے)

مرشدِ اعلیٰ

عصر کی نماز پڑھ رہی تھی کہ نگاہِ باطن کے سامنے روشنیاں ہی روشنیاں لہرانے جھلملانے اور ناچنے لگیں۔ نماز ختم ہوتے ہی بدن کو برقی جھٹکے لگنے لگے! اور بے خودی طاری ہوگئی۔ میں بیٹھ گئی اور مجھے اپنے مرشدِ اعلیٰ نظر آئے۔ آپ (رئیس) کی آواز آئی کہ یہ فلاں ہے اور یہ فلاں ہے۔ چھریرا جسم، لمبی سفید داڑھی سفید کرتہ پاجامہ، مرشدِ اعلیٰ کا چہرہ مبارک آپ سے بے حد مشابہ ہے پھر ایک اور بزرگ نمودار ہوئے۔ یہ ان سے پستہ قد تھے ان کی صحت بھی اچھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ان کے بھائی ہیں۔ یہ سب ہمارے یہاں محفلِ سماع میں شرکت کے لئے آرہے ہیں؎ پھر ایک اور سفید ریش بزرگ نظر آئے۔ انہوں نے عربوں کی طرح سر پر عقال باندھ رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مرشدِ اعلیٰ کی خدمت میں زیادہ رہتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھو۔ دیکھا تو سمندر موجیں مار رہا ہے اور سمندر میں ایک بہت اونچا پہاڑ سر اٹھائے کھڑا ہے۔ اسکے چاروں طرف کہیں زمین نہیں ہے۔ نظارہ بدلا۔ دیکھا کہ پہاڑ پر ایک بزرگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ مجھے کافی دور نظر آرہے تھے پھر تسبیح بدست بیٹھے نظر آئے۔ اٹھ کھڑے ہوئے پہاڑ سے نیچے اترنے لگے اور آنکھیں بند کئے انگلی سے پہاڑ کے گرد حصار کھینچا۔ فوراً پانی ہٹ گیا اور پہاڑ کے چاروں طرف سے زمین ابھر آئی۔ پھر وہ کسی طرف چلے گئے۔ اور نظر نہیں آئے۔ یکایک اندھیرا چھا گیا۔ پھر کھٹ کھٹ کی آواز آئی۔ پھر سامنے سے چنگاریاں اڑتی

؎ یکم جنوری ۱۹۷۵ء کو ابراہیم علی بھائی آڈیٹوریم دلارنس روڈ میں میرے زیرِ اہتمام قوالی تھی۔

نظر آئیں۔ وہاں ہلکی روشنی نظر آنے لگی۔ وہ بزرگ ہتھوڑا نما ہتھیار کے کسی اوزار سے پتھر توڑ رہے تھے اور چٹانوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ آخر چھت سے لے کر زمین تک غار کا دہانہ بن گیا۔ پھر ان بزرگ نے اس غار کے دہانے میں نماز ادا کی۔ پھر تیشہ زنی شروع کر دی۔ میں یہ سارا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ دیکھا کہ ایک جگہ سے چٹان ہٹ گئی۔ اور وہاں سے فوارے کی طرح پانی نکل آیا۔ انھوں نے اس پانی سے وضو کیا۔ اور چلّو سے پانی پیا۔ پھر وہ بزرگ پہاڑ کی چوٹی پر نظر آئے۔ وہاں ایک اور بزرگ بھی تھے۔ اسوقت آپ (رئیس) نے فرمایا کہ یہ بابا عبداللہ شاہ غازی ہیں۔ آج یہ بھی ہماری محفل میں شریک ہوں گے۔ اس کے بعد دو روشن ہیولے نظر آئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ان کی دو بہنیں ہیں۔ اسکے بعد دو اور سفید ہیولے دکھائی دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عرفان کی پھوپی اور والدہ ہیں۔ یہ بھی محفل میں شرکت کا ارادہ رکھتی ہیں۔

اور ہمزاد

بار بار یہ سوال کیا جاتا رہا ہے۔ کہ جس مخلوق کو جسم مثالی یا جسم خاکی کی ہئیت نوری کہا جاتا ہے۔ کیا اس کو ہمزاد کہتے ہیں؟ اس سوال کا جواب "ہاں" میں ہے نہیں میں نہیں ہے۔ گلزار احمد نے میری ہدایت پر سایہ بینی اور شمع بینی کا عمل شروع کیا اس سے قبل وہ حسب ہدایت سورۂ جن کا وظیفہ پڑھتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ اٹھارہ روز کے عمل اور وظیفہ خوانی کے بعد تمباکو نوشی سے نفرت ہو گئی ہے۔ سر کے پچھلے حصے میں غوں غوں کی آواز گونجتی رہتی ہے۔ سینے کے اندر لہریں سی اٹھتی ہیں۔ آنکھیں بند کرتے ہی اپنا جسم ہیولیٰ کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ بعض اوقات تاریکی میں ایک سایہ سا جھلک دکھا کر گم ہو جاتا ہے جب کسی چیز پر نظریں گاڑتا ہوں۔ تو دیر تک وہ چیز تک باطن کے سامنے قائم رہتی ہے۔ سائے پر سے نظر ہٹاتا ہوں۔ تو وہ بالکل سفید ہو جاتا ہے۔ اور سائے کے کنارے

سرخی مائل سیاہ نظر آتے ہیں۔ عجیب سی مدہوشی طاری رہتی ہے۔ پچھلے خط میں آپ کی توجہ چند عملیات کی طرف مبذول کرائی گئی تھی۔ جو آپ کی تصنیف "جنّات" میں صفحہ انتیس تا ایک سو ستائیس پر درج ہیں۔ میں یہ عمل بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اجازت ہے ؟

سایہ بینی

سایہ بینی۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (سیلف کلچر ٹریننگ کورس یا (S.C.T) کی کی ایک مشق ہے اسکا طریقہ یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت کسی تنہا جگہ آفتاب کیطرف منہ کرکے کھڑے ہو جائیں۔ کہ آپکا سایہ آپکے سامنے رہے۔ سائے کی گردن پر پلک جھپکائے بغیر نظریں گاڑ دیں۔ یہ مشق ایک منٹ سے شروع کرکے رفتہ رفتہ ایک گھنٹہ تک لے جائیں چند روز کے بعد آپکو اپنے سر پر ایک سفید ہیولی (ابر پارہ) گردش کرتا نظر آئے گا۔ میں نے خود یہ عمل کیا ہے۔ جب بھی آنکھیں اٹھا کر ابر پارے کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ غائب ہو جاتا تھا آخر اس مشق کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ میں نے ایک روز اپنے ہمزاد کو اپنے سامنے بیٹھا ہوا پایا۔ سیکنڈ کے سویں حصے میں یہ منظر قائم رہا۔ پھر غائب ہو گیا۔ چونکہ شوق پورا ہو گیا تھا اس لئے یہ مشق ترک کر دی ہے۔ ورنہ شاید مستقل طور پر ہمزاد کو اپنے پیچھے لگا لیتا۔

شمع بینی

شمع بینی بھی (S.C.T) کی ایک مستقل مشق ہے۔ شمع بینی کو ہمارے نصاب میں درجہ اوّل کی اہمیت حاصل ہے۔ شمع بینی کا یہ طریقہ ہے۔ کہ موم بتی یا سرسوں کے تیل کا دیا جلا کر اپنی نظروں سے ڈھائی فٹ کے فاصلے پر کسی قدر اونچائی پر رکھ لیا جائے اور شمع کی لو کے کسی ایک نقطے پر نظریں جما دیں۔ اس کار توجہ کی تمام مشغول کی بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ نظریں جمانے کے ساتھ پلک نہ جھپکنے پائے۔ شمع کی لو پر نظریں جمانے کے ساتھ تصور

یہ ہونا چاہیئے کہ۔ غیب سے حسن۔ نور اور رنگ کی ایک دنیا طلوع ہو رہی ہے۔ اور میں اس کا نظارہ کر رہا ہوں۔ رفتہ رفتہ آپ کو شمع کی لو میں وہ نادیدہ دُنیا نظر آنے لگے گی جس کا ہم خواب دیکھا کرتے ہیں۔ بلاشبہ ارتکاز توجہ کی مشقوں رسایہ بینی۔ شمع بینی، التسخیر، التصویر البصیر التجای، آئینہ بینی، ماہ بینی، آفتاب بینی، وغیرہ کے دوران مہیب مناظر سے بھی واسطہ پڑتا ہے لیکن ان آنی اور فانی نظاروں سے دل برداشتہ نہ ہونا چاہیئے! ارتکاز توجہ کی مشقوں سے قبل سانس کی مشقیں ناگزیر ہیں۔ سانس کی مشق درحقیقت ذہن اور اعصاب کو برقیا دیتی ہے۔ (یعنی جسم میں بجلی دوڑا دیتی ہے۔) سید فرحت حسین لکھتے ہیں کہ اب توجہ مانی طور پر حسب معمول ہوں۔ البتہ صبح کی مشق (تنفسِ نور) برابر ناغہ ہو رہی ہے۔ مشق کے بعد آنکھیں بند کرتا ہوں تو چاروں طرف چنگاریاں اڑتی نظر آتی ہیں۔ کبھی ایسا لگتا ہے کہ میں بہت موٹا ہو گیا۔ کبھی اپنے کو بالکل دُبلا پتلا پاتا ہوں۔ کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گردن ٹیڑھی ہو گئی ہے۔ اور کبھی یہ احساس ہوتا ہے کہ جسم کا اوپری حصہ فضا میں تیر رہا ہے۔ نظر کے سامنے بے رنگ خاکے اور روشنی کے چکر بھی نظر آتے ہیں۔ کبھی سوتے یا لیٹے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ کسی نے بجلی کا ننگا تار چھوا دیا ہے۔ ہفتہ بھر سے عجیب بات محسوس کر رہا ہوں۔ سانس کے تیرہ چکر کے بعد قمیض بدن سے چپکنے لگتی ہے۔ جیسے جسم میں مقناطیسی ہر پیدا ہو گئی ہے۔

* * *

آپ نے اس کتاب کا مطالعہ کیا۔ آپ کس نتیجہ پر پہنچے۔ اس کا فیصلہ آپ کریں گے۔ میں تو صرف یہ عرض کر سکتا ہوں کہ یہ دنیا عجائبات سے پُر ہے۔ آج سے دو سو سال قبل۔ بھلا کون شخص (بقراط و بوعلی سینا ہی سہی) بھاپ کی کلیں۔ بجلی کے کارخانوں، ایٹم کی بھٹیوں اور انجن، موٹر، تار، ٹیلی فون، وائرلیس، ریڈیو، ٹیلیگرافی

کیمرے، بجلی کے بلب، راکٹ، کمپیوٹر اور بین السیّاراتی خلائی ہوائی جہازوں کا تصوّر کر سکتا تھا اس وقت اِن تمام تصوّرات کا شمار خارق العادات میں ہوتا تھا۔ لیکن ٹیکنالوجی (ٹیکنیک کاری)، کی حیرت انگیز ترقی نے عہدِ ماضی کے معجزات کو عہدِ حاضر کی ایجادات میں رُونما کر دیا۔ جب مادی دُنیا کا عالم یہ ہے تو اس دنیائے لطیف کے مظاہر و مناظر کیا ہوں گے۔ کیسے ہونگے۔ کِس طرح ہوں گے۔ کیونکر ہوں گے۔ جو اس مادی دُنیا کے عقب میں جلوہ گر ہے۔ بے شک ہم آہستہ آہستہ مادی دُنیا کی تہوں کو چیر کر ایک نادیدہ دنیائے حسن و جمال کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ اور اِس کو عالمِ برزخ کہتے ہیں۔ یعنی وہ "پردہ"۔ جو عالمِ خلق اور عالمِ آخرت کے درمیان حائل ہے

محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی؟